کفار کا بولنا اور عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ محشر میں مختلف مواقف اور مقامات آئیں گے کسی مقام میں کلام اور عذر پیش کرنا ممنوع ہوگا کسی میں اجازت ہوگی۔ (روح)

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ، یعنی کھاؤ پیو اور آرام اٹھالو تھوڑے دن کیونکہ تم مجرم ہو آخر کار سخت عذاب میں جانا ہے۔ یہ مکذبین کو خطاب ہے دنیا میں، انبیاء کے ذریعہ اُن کو کہا گیا ہے کہ یہ تمہارا عیش و آرام چند روزہ ہے پھر عذاب ہی عذاب ہے (کذا فسرہ ابوحیان)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ، یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک رکوع سے مراد اُسکے لغوی معنی یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دنیا میں اُن کو احکام الٰہیہ کی اطاعت کے لئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنے بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو نماز کی طرف بلایا جاتا تھا تو یہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے (روح)

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ، یعنی جب یہ لوگ قرآن جیسی عجیب غریب بلیغ اور حکموں سے پُر واضح دلائل کی کتاب پر ایمان نہ لائے تو اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لائیں گے مراد اسکے ایمان سے مایوسی کا اظہار ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تلاوت کرنے والا اس آیت پر پہنچے تو اسکو کہنا چاہئیے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ، یعنی ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ نماز سے خارج میں اور نوافل میں یہ الفاظ کہنے چاہئیں مگر فرائض میں اور سُنن میں اس زیادتی سے احتراز کرنا روایاتِ حدیث سے ثابت ہے اس لئے اُس میں نہ کہا جائے، واللہ اعلم

تمت سورة المرسلت بحمد الله لآخر يوم من رجب ۱۳۹۱ھ وبہ

تم الجزء التاسع والعشرون من القران الله الموفق لاتمام الباقي

سُوْرَةُ النَّبَاِ

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ نبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۳

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۵ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۶

ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۷ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۸ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۹ وَّ

اور پہاڑوں کو میخیں اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے اور بنایا نیند کو تمہاری تھکان دفع کرنے کے لئے اور

جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۱۱ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

بنایا رات کو اوڑھنا اور بنایا دن کمائی کرنے کو اور چنی ہم نے تم سے اوپر سات

شِدَادًا ۱۲ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۱۳ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً

چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا اور اُتارا نچڑنے والی بدلیوں سے پانی کا

ثَجَّاجًا ۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۱۵ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۱۶ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

ریلا تاکہ ہم نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے بیشک دن فیصلہ کا ہے

كَانَ مِيْقَاتًا ۱۷ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۱۸ وَّفُتِحَتِ

ایک وقت ٹھہرا ہوا جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ جُھٹ کے جُھٹ اور کھولا جائے

السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۱۹ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۲۰ اِنَّ جَهَنَّمَ

آسمان تو ہو جائیں اس میں دروازے اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا ریتا بیشک دوزخ ہے

كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ

تاک میں شریروں کا ٹھکانا رہا کریں اس میں قرنوں نہ چکھیں

فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا

وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ بدلہ ہے پورا اُن کو توقع

لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

نہ تھی حساب کی اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو مکر کر اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے

كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ ع ۱

لکھ کر اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب بیشک ڈر والوں کو اُن کی مراد ملنی ہے

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

باغ ہیں اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب اور پیالے چھلکتے ہوئے نہ سنیں گے

فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ

وہاں بک بک اور نہ مکرانا بدلہ ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے جو رب ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

جس دن کھڑی ہو رُوح اور فرشتے قطار باندھ کر کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا

الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

رحمن نے اور بولا بات ٹھیک وہ دن ہے برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے

اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

اپنے رب کے پاس ٹھکانا ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی جس دن دیکھ لے گا آدمی

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

جو آگے بھیجا اُسکے ہاتھوں نے اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا

خلاصۂ تفسیر

یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کیساتھ) اختلاف کر رہے ہیں (مراد قیامت ہے اور دریافت کرنے سے مُراد بطور انکار کے دریافت کرنا ہے اور مقصود اس سوال وجواب سے اذہان کا ادھر متوجہ کرنا اور تفسیر بعد الابہام سے

اُسکا اہتمام شان ظاہر کرنا ہے، آگے اُن کے اختلاف کا بے وجہ اور باطل ہونا بیان کیا گیا ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آوے گی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یعنی جب دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد اُن پر عذاب واقع ہوگا تب حقیقت اور حقیقت قیامت کی منکشف ہو جاوے گی اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آوے گی اور) اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (اور چونکہ وہ لوگ اس کو مستبعد یا محال سمجھتے ہیں، آگے اسکے امکان اور وقوع کا بیان ہے کہ اس کو محال سمجھنے سے ہماری قدرت کا انکار لازم آتا ہے اور ہماری قدرت کا انکار نہایت عجیب ہے کیونکہ) کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا (یعنی مثل میخوں کے بنایا، جیسا کسی چیز میں میخیں لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی اسی طرح زمین کو پہاڑوں سے مستقر کر دیا اس کی تحقیق سورۂ نحل میں گزر چکی ہے) اور (اس کے علاوہ ہم نے اور بھی دلائل قدرت ظاہر فرمائے چنانچہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد وعورت) بنایا اور ہم ہی نے تمھاری نیند کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمھارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا (مراد آفتاب ہے بقولہ تعالیٰ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے بہت پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں (اور ان سب سے ہمارا کمال قدرت ظاہر ہے پھر قیامت پر ہمارے قادر ہونے کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بیان تھا امکان کا آگے وقوع کا ذکر ہے کہ) بیشک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صُور پھونکا جاویگا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤگے (یعنی ہر اُمت جدا جدا ہوگی، پھر مومن جدا، کافر جدا، پھر ابرار جدا، اشرار جدا، سب ایک دوسرے سے ممتاز ہو کر میدانِ قیامت میں حاضر ہونگے) اور آسمان کھل جاویگا پھر اسمیں دروازے ہی دروازے ہو جاویں گے (یعنی اسقدر بہت سا کھل جاویگا جیسے بہت سے دروازے ملا کر بہت بڑی جگہ کھلی ہوتی ہے پس کلام مبنی ہے تشبیہ پر، اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں پھر اس دن دروازے ہونے کے کیا معنی، اور یہ کھلنا نزولِ ملائکہ کے لئے ہوگا جیسے سورۂ فرقان میں تَشَقَّقُ السَّمَآءُ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی شرح وہاں گزری ہے) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیئے جائیں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جاویں گے (کقولہ تعالیٰ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا - اور یہ واقعات نفخۂ ثانیہ کے وقت ہوں گے البتہ تسییر جبال میں یہاں بھی اور جہاں جہاں واقع ہوا ہے دونوں احتمال ہیں یا تو نفخۂ ثانیہ کے بعد کہ اس سے عالم کی سب چیزیں اپنی ہیئت پر عود کر آویں گی، جب حساب کا وقت آویگا پہاڑوں کو زمین کے برابر کر دیا جاویگا تاکہ زمین پر کوئی آڑ پہاڑ نہ رہے سب ایک ہی میدان میں نظر آویں، اور یا یہ نفخۂ اولیٰ کا وقت ہوگا جس سے خود فنا کرنا مقصود بالذات ہوگا، پھر اس تقدیر پر یوم کو ان سب افعال کا ظرف فرمانا اس بناء پر ہوگا کہ نفخۂ اولیٰ سے نفخۂ ثانیہ تک کا مجموعہ ایک یوم قرار دے لیا گیا واللہ اعلم

آگے اس یوم الفصل میں جو فیصلہ ہوگا اسکا بیان ہے یعنی) بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (یعنی عذاب کے فرشتے انتظار اور تاک میں ہیں کہ کافر آویں تو اُن کو پکڑتے ہی عذاب دینے لگیں اور وہ) سرکشوں کا ٹھکانا (ہے) جس میں وہ بے انتہا زمانوں (پڑے) رہیں گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے (اس سے زمہریر یعنی سخت سردی کی نفی نہیں ہوئی) اور نہ پینے کی چیز کا (جس سے پیاس بجھے) بجز گرم پانی اور پیپ کے یہ (ان کو) پورا بدلہ ملیگا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں کہ) وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور وہ ہماری (اُن) آیتوں کو (جن میں حساب و دیگر اُمورِ حقہ کی خبر تھی) خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (اُن کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (انکے نامۂ اعمال میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے سو (ان اعمال پر ان کو مطلع کر کے کہا جاویگا کہ اب اُن اعمال کا) مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائینگے (یہ تو کافروں کا فیصلہ ہوا آگے اہل ایمان کا فیصلہ مذکور ہے کہ) خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہے یعنی (کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہونگے) اور انگور (یہ تخصیص بعد التعمیم اہتمام شان کیلئے ہے) اور (دل بہلانے کو) نوخاستہ ہم عمر عورتیں ہیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب (اور) وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سُنیں گے اور نہ جھوٹ (کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں) یہ (ان کو اُن کی نیکیوں کا) بدلہ ملیگا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (اور جو) رحمان ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے (مستقل) اختیار نہ ہوگا کہ (اُس کے سامنے) عرض معروض کر سکے جس روز تمام ذی ارواح اور فرشتے (خدا کے روبرو) صف بستہ (خشوع و خضوع کے ساتھ) کھڑے ہونگے (اُس روز) کوئی بول نہ سکے گا بجز اسکے جسکو رحمان (بولنے کی) اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (ٹھیک بات سے مراد وہ بات جس کی اجازت دی گئی ہے یعنی بولنا بھی محدود و مقید ہوگا یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے اور مستقل اختیار سے اور یہی مُراد ہے، آگے اوپر کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے کہ) یہ (دن جسکا اوپر ذکر ہوا) یقینی دن ہے سو جسکا جی چاہے (اسکے حالات سنکر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے (یعنی نیک عمل کرے کہ وہاں نیک ٹھکانا ملے، آگے اتمام حجت ہے کہ لوگو) ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (جو کہ ایسے دن میں واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اُس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر (حسرت سے) کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو جاتا (تاکہ عذاب سے بچتا، اور یہ اُسوقت کہے گا جب چوپائے جانور مٹی کر دیئے جاویں گے، رواہ فی الدر عن ابی ہریرۃ رضؓ)۔

معارف و مسائل

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ لفظ عَمَّ دو حرفوں سے مرکب عَنْ اور مَا حرف مَا استفہام کے لئے آتا ہے۔

اس ترکیب میں حرف مَا میں سے الف ساقط کر دیا گیا ہے معنے یہ ہوئے کہ یہ لوگ کس چیز میں باہمی سوال جواب کر رہے ہیں، پھر خود ہی اسکا جواب دیا گیا عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ، لفظ نَبَاء کے معنے خبر کے ہیں مگر ہر خبر کو نبا نہیں بلکہ جب کوئی عظیم الشان خبر ہو اُس کو نبا کہا جاتا ہے مراد اس نبا یعنی خبر عظیم الشان سے قیامت ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ اہل مکہ اس عظیم الشان خبر یعنی قیامت کے بارے میں بحث اور سوال جواب کر رہے ہیں جس میں انکے آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفارِ مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اسکے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کیساتھ آیا ہے اور انکے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اسلئے اسمیں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اسلئے اس سورت کے شروع میں انکا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقع ہونا مذکور ہے اور اُن کے نزدیک جو اسکے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اسکا جواب دیا گیا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کیلئے نہیں تھا بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لئے تھا واللہ اعلم، قرآن کریم نے انکے جواب میں ایک ہی جملہ کو تاکید کے لئے دو مرتبہ فرمایا كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ، کَلَّا کے معنی ہیں ہرگز نہیں، مراد یہ ہے کہ یہ سوال و جواب اور بحث و تحقیق سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، وہ تو جب سامنے آوے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ یہ ایک ایسی یقینی چیز ہے جسمیں بحث و سوال اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کی حقیقت خود ان لوگوں پر عنقریب واضح ہو جائے گی یعنی مرنے کے بعد ان کو دوسرے عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوگا اور وہاں کے ہولناک مناظر کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اسوقت حقیقت کھل جائے گی۔ اسکے بعد حق تعالٰی نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت و صنعت کے چند مناظر کا ذکر فرمایا ہے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے، اس میں زمین اور اس کے پہاڑوں کی تخلیق پھر انسان کی تخلیق مرد و عورت کے جوڑے کی صورت میں بیان فرمائی پھر انسان کی راحت اور صحت اور کاروبار کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، اسمیں ایک یہ ارشاد ہے جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا، سُبات سبت سے مشتق ہے جس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام ہموم و غموم اور افکار کو قطع کر کے اسکے قلب و دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اسکا بدل نہیں ہو سکتی، اسی لئے سُبات کا ترجمہ بعض حضرات نے راحت سے بھی کیا ہے۔

نیند بہت بڑی نعمت ہے یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے عام ایسا فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ

دُنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں اور دُنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، اُن کے پاس راحت کے سامان، راحت کا مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ، نرم گدے تکیئے سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں تکیوں یا کوٹھی بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں، وہ تو حق تعالیٰ کا ایک نعمت ہے جو براہِ راست اُس کی طرف سے ملتی ہے، بعض اوقات مفلس بے سامان کو بغیر کسی بستر تکیئے کے کھلی زمین پر یہ نعمت فراوانی سے دیدی جاتی ہے اور بعض اوقات سازوسامان والوں کو نہیں دی جاتی، اُن کو خواب آور گولیاں کھاکر حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ گولیاں بھی کام نہیں کرتیں، پھر غور کرو کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ نے جیسا ساری مخلوق انسان اور جانور کے لئے عام فرمایا ہے اور مفت بلا محنت سب کو دیا ہے اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ صرف مفت بلا محنت ہی نہیں بلکہ اپنی رحمتِ کاملہ سے اس نعمت کو جبری بنا دیا ہے کہ انسان بعض اوقات کام کی کثرت سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ رات بھر جاگتا ہی رہے مگر رحمتِ حق جلّ شانہٗ اس پر جبراً نیند مسلّط کر کے اس کو سُلا دیتی ہے کہ دن بھر کا تکان دُور ہو جائے اور اُس کے قوائے مزید کام کے لئے تیز ہو جائیں، آگے اسی نیند کی عظیم نعمت کا تکملہ یہ بیان فرمایا کہ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا یعنی رات کو ہم نے چھپانے کی چیز بنا دیا، اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کو فطرۃً نیند اُس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور شغب نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی اوڑھنے اور چھپانے کی چیز فرماکر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے سازگار ہوں۔ اوّل رات کی تاریکی، دوسرے پورے عالم انسان اور جانور سب پر بیک وقت نیند کا مسلّط ہونا کہ جب سبھی سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون ہوگا ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے مختلف ہوا کرتے تو کسی کو بھی نیند کے وقت سکون میسّر نہ آتا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کہ انسان کی راحت و سکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔ اگر ہمہ وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں، ان کے لئے جدّو جہد اور محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے جو روشنی میں ہوسکتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور اسکی تاریکی ہی نہیں بنائی بلکہ ایک روشن دن بھی دیا جس میں تم کاروبار کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو، فتبارک اللہ احسن الخالقین، اس کے بعد انسان کی راحت کے اس سامان کا ذکر ہے جو آسمان سے متعلق ہیں اُن میں سب سے بڑی نفع بخش چیز آفتاب کی روشنی ہے اسکا ذکر فرمایا وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا یعنی ہمنے آفتاب کو ایک روشن بھڑکنے والا چراغ بنا دیا، پھر آسمان کے نیچے جو چیزیں انسان کی راحت کے لئے پیدا فرمائیں اُن میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں انکا ذکر فرمایا

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا، مُعْصِرٰت، مُعْصِرَۃ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو اُن میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سما اس معنی کے لئے آیا ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہِ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، ان تمام صنائع قدرت اور انعاماتِ ربانی کا ذکر فرمانے کے بعد پھر اصل مضمون قیامت کی طرف رجوع ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا، یعنی فیصلہ کا دن جس سے مراد قیامت ہے وہ ایک موقّت اور متعیّن حد ہے جس پر یہ دُنیا ختم ہو جائے گی جبکہ صُور پھونکا جائے گا، اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخِ صُور دو مرتبہ ہوگا، پہلے نفخہ سے سارا عالم فنا ہو جائے گا، دوسرے نفخہ سے پھر زندہ و قائم ہو جائیگا، اس دوسرے نفخہ کے وقت سارے عالم کے اگلے پچھلے انسان اپنے رب کے سامنے فوج در فوج ہو کر حاضر ہونگے۔ حضرت ابوذر غفاری رض کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہوں گے، ایک فوج اُن لوگوں کی ہوگی جو پیٹ بھرے ہوئے لباس پہنے ہوئے سواریوں پر سوار میدانِ حشر میں آئیں گے، دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے، تیسری فوج اُن لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدانِ حشر میں لایا جائے گا (مظہری بروایت نسائی و حاکم و بیہقی) بعض روایات میں افواج کی تشریح دس قسم کی افواج سے کی گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرینِ محشر کی بیشمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے ہونگی، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب جمع ہوسکتے ہیں۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا، سُيِّرَتْ سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ جو آج ثبات و قرار میں بطور مثال کے پیش کئے جاتے ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہوں کو چھوڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھرنے لگیں گے، سَراب کے لفظی معنے ذہاب یعنی چلے جانیکے ہیں، جنگل کا وہ ریت جو دُور سے چمکتا ہوا پانی کی صورت میں نظر آتا ہے اسکو بھی سراب اسی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ قریب پہنچتے ہی نظر سے جاتا رہتا ہے (کذا فی الصحاح والراغب)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا، مِرْصاد، وہ جگہ جہاں بیٹھ کر کسی کی نگرانی یا انتظار کیا جائے، جہنم سے مراد اس جگہ جسرِ جہنم یعنی پُل صراط ہے۔ یہاں ثواب دینے والے اور عذاب دینے والے دونوں فرشتے انتظار کرتے ہوں گے اہلِ جہنم کو عذاب کے فرشتے پکڑ لیں گے اور اہلِ جنّت کے ساتھ ثواب کے فرشتے اُن کو اُن کے مقام پر پہنچا دیں گے (مظہری)

حضرت حسن بصری رہ نے فرمایا کہ جہنم کے پُل پر نگراں فرشتوں کی چوکی ہوگی جس کے پاس جنّت میں جانیکا پروانہ ہوگا، اسکو گزرنے دیا جائیگا جس کے پاس نہ ہوگا اسکو روک لیا جائے گا (قرطبی)

لِلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا، ظاہر یہ ہے کہ لِلطّٰغِيْنَ، مَاٰبًا کے متعلق ہے اور یہ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ کی دوسری خبر ہے، اس طرح سے دونوں جملوں کے یہ ہوئے کہ جہنم تو ہر نیک و بد کے لئے انتظار گاہ ہے سبھی کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے اور جہنم طاغین کے لئے مستقر اور ٹھکانا ہے۔ طاغین طاغی کی جمع ہے طغیان سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں سرکشی اور طاغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایمان لے کے نکل جائے اسلئے طاغین سے مراد اس جگہ کفار ہونگے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بدعقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن و سنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا جیسے روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ (کما فی المظہری)

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا، لٰبِثِيْنَ، لابث کی جمع ہے جس کے معنے ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، اَحْقَابٌ حِقْبَةٌ کی جمع ہے، زمانہ دراز کو حقبہ کہا جاتا ہے، اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مقدار اسّی سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اس طرح تقریباً دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حِقبہ۔ اور حضرت ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمر، ابن عباس وغیرہ نے مقدار حِقبہ اسّی کے بجائے ستر سال قرار دی باقی حساب وہی ہے (ابن کثیر) مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

لا یخرج احد من النار حتی یمکث فیہ احقابا والحقب بضع وثمانون سنۃ کل سنۃ ثلثمائۃ وستون یوما مما تعدون (از مظہری)	تم میں سے جو لوگ گنہگار ہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے کوئی اسوقت تک جہنم سے نہ نکلے گا جبتک اسمیں چند احقاب نہ رہ لے اور حقبہ کچھ اوپر اسی سال کا، اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہمارے موجودہ دنوں کے مطابق۔

اس حدیث میں اگرچہ اس آیتِ مذکورہ کی تفسیر مذکور نہیں ہے مگر بہرحال لفظ احقاب کے معنی کا بیان ہے چند صحابہ کرام سے جو اسمیں ہر دن ایک ہزار سال کا منقول ہے اگر وہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہوا ہے تو روایاتِ حدیث میں تعارض ہوا، اس تعارض کے وقت کسی ایک پر جزم و یقین تو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات دونوں ہی روایتوں میں مشترک ہے کہ حقبہ یا حقب بہت ہی زیادہ طویل زمانے کا نام ہے اسی لئے بیضاوی نے احقاباً کی تفسیر دھوراً متتابعۃ سے کی ہے یعنی پے در پے بہت سے زمانے۔

جہنم کے خلود اور دوام پر اشکال و جواب حقبہ کی مقدار کتنی بھی طویل سے طویل قرار دی جائے بہرحال وہ متناہی اور محدود ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس مدتِ طویلہ کے بعد کفار اہلِ جہنم بھی جہنم سے نکل جاویں گے حالانکہ یہ قرآن مجید کی دوسری واضح نصوص کے خلاف ہے جن میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ آئے ہیں اور اسی لئے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ نہ جہنم کبھی فنا ہوگی، نہ کفار کبھی اس سے نکالے جائیں گے۔

مُسدی نے حضرت مُرّہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہلِ جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ اُن کا قیام جہنم

میں دُنیا بھر میں جتنی کنکریاں تھیں اُنکی برابر ہوگا تو وہ اس پر بھی خوش ہوں گے کہ بالآخر یہ کنکریاں اربوں کھربوں کی تعداد میں سہی پھر بھی محدود اور متناہی تو ہیں، بہرحال کبھی نہ کبھی اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائے گا اور اگر اہلِ جنّت کو یہی خبر دی جائے کہ اُن کا قیام جنّت میں دُنیا بھر کی کنکریوں کے عدد کے مطابق سالوں ہیگا تو وہ غمگین ہونگے کہ کتنی ہی مدت دراز سہی مگر بہرحال اس مدت کے بعد جنّت سے نکالدیئے جاویں گے (مظہری)

بہرحال اس آیت میں احقاباً کے لفظ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چند احقاب کے بعد کفار اہلِ جہنم بھی جہنم سے نکال لئے جاویں گے، مقام نصوص اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہونے کی بنا پر یہ مفہوم معتبر نہیں ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس کی تصریح تو ہے نہیں کہ احقاب کے بعد کیا ہوگا صرف اتنا ذکر ہے کہ مدت احقاب ان کو جہنم میں رہنا پڑیگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احقاب کے بعد جہنم نہیں رہے گا یا یہ لوگ اُس سے نکال لئے جاویں گے۔ اسی لئے حضرت حسنؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اہلِ جہنم کے لئے جہنم کی کوئی میعاد اور مدت مقرر نہیں فرمائی جس کے بعد اُن کا اس سے نکل جانا سمجھا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایک حقبہ زمانے کا گزر جائیگا تو دوسرا شروع ہو جائیگا، اسی طرح دوسرے کے بعد تیسرا چوتھا یہانتک کہ ابدالآباد یہی سلسلہ رہے گا، اور سعید بن جبیرؒ نے قتادہ سے بھی یہی تفسیر روایت کی ہے کہ احقاب سے مراد وہ زمانہ ہے جسکا انقطاع اور انتہا نہیں بلکہ ایک حقب ختم ہوگا تو دوسرا حقب آجائیگا اور یہی سلسلہ ابد تک رہیگا (ابن کثیر و مظہری) اور یہاں ایک دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کو ابن کثیر نے یحتمل کے لفظ سے بیان کیا ہے اور قرطبی نے فرمایا کہ یہ بات بھی ممکن ہے اور مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ طاغین سے مراد کفار نہ لئے جاویں بلکہ وہ اہلِ توحید جو عقائدِ باطلہ کے سبب اسلام کے گمراہ فرقوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں اہلِ اہواء کہا جاتا ہے وہ مراد ہوں تو آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ایسے اہلِ توحید کلمہ گو جو عقائدِ باطلہ رکھنے کے سبب کفر کی حدود تک پہنچے ہوئے تھے مگر صریح کافر نہ تھے وہ مدت احقاب جہنم میں رہنے کے بعد بالآخر کلمۂ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لئے جاویں گے۔

مظہری نے اس احتمال کی تائید میں وہ حدیث مرفوع بھی پیش کی جو اوپر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بحوالہ مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ مدت احقاب گزرنے کے بعد یہ لوگ جہنم سے نکال لئے جاویں گے مگر ابوحیان نے فرمایا کہ بعد کی آیات اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا اس احتمال کے منافی ہیں کہ طاغین سے مراد اس جگہ اہلِ توحید اور گمراہ فرقے ہوں کیونکہ ان آخری آیات میں قیامت کے انکار اور تکذیبِ رُسل کی تصریح ہے اسی طرح ابوحیان نے مقاتل کے اس قول کو بھی فاسد قرار دیا ہے کہ اس آیت کو منسوخ مانا جائے۔

اور ایک جماعتِ مفسرین نے ایک تیسرا احتمال اس آیت کی تفسیر میں یہ قرار دیا ہے کہ اس آیت کے بعد کا جملہ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا، یہ احقاباً سے جملہ حالیہ ہو اور معنی آیت

کے یہ ہوں کہ احقاب کے زمانہ دراز تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا ذائقہ چکھیں گے نہ کسی کھانے اور پینے کی چیز کا بجز حمیم اور غساق، پھر احقاب گزرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں حمیم وہ کھولتا ہوا گرم پانی ہے کہ جب چہرہ کے قریب پہنچیگا تو اسکا گوشت جل جائیگا اور جب پیٹ میں ڈالا جائیگا تو اندرونی اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے اور غساق وہ خون اور پیپ وغیرہ جو اہلِ جہنم کے زخموں سے نکلے گی۔

جَزَآءً وِّفَاقًا، یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دیجائے گی وہ اُن کے عقائد باطلہ اور اعمالِ سیئہ کے مطابق ہوگی از روئے عدل و انصاف اسمیں کوئی زیادتی نہ ہوگی فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا، یعنی جس طرح تم دُنیا میں اپنے کفر و انکار میں زیادتی ہی کرتے چلے گئے اور اگر جبراً تمھیں موت نہ آجاتی تو اور بڑھتے ہی رہتے اسی طرح آج اُس کی جزا یہ ہے کہ تمھارا عذاب بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کفار و فجار کی سزا کا بیان تھا آگے اسکے بالمقابل مؤمنین متقین کے ثواب اور نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ ان نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا، یعنی اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے یہ جزاء ہے مؤمنین کے لئے اور عطاء ہے اُن کے رب کی طرف سے عطائے کثیر۔ یہاں ان نعمتوں کو اوّل جزائے اعمال بتلایا پھر عطائے ربانی، بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ جزاء اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے بدلے میں ہو اور عطاء وہ ہے جو بلا کسی بدلے کے بطور انعام و احسان ہو۔ قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو یکجا جمع کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ جنت میں داخل ہونا اور اس کی نعمتیں صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے تو اہلِ جنت کے اعمال کی جزاء ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ خالص عطائے ربانی ہے کیونکہ انسانی اعمال تو ان نعمتوں کا بھی بدلہ نہیں بن سکتے جو اُن کو دُنیا میں دیدی گئی ہیں آخرت کی نعمتوں کا حصول تو صرف حق تعالیٰ کا فضل و انعام اور عطائے محض ہے جیسا کہ حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جا سکتا جبتک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جا سکتا، اور لفظ حساباً کے دو معنے ہو سکتے ہیں، ائمہ تفسیر میں بعض نے پہلے بعض نے دوسرے معنے لئے ہیں پہلے معنی حساباً عطاء کافیاً کثیراً کے ہیں یعنی ایسی عطاء جو اس کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی وافی اور کثیر ہو، یہ معنے اس محاورہ سے ماخوذ ہیں اَحْسَبْتُ فُلَانًا اَیْ اَعْطَیْتُہٗ مَا یَکْفِیْہِ حَتّٰی قَالَ حَسْبِیْ یعنی اَحْسَبْتُ کا لفظ اس معنے کے لئے آتا ہے کہ میں نے اس کو اتنا دیا کہ اُس کے لئے بالکل کافی ہوگیا یہاں تک کہ بول اُٹھا حَسْبِیْ یعنی بس یہ میرے لئے بہت ہے۔ اور دوسرے معنے حساب کے موازنہ اور مقابلے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس جگہ یہی معنی لے کر مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطائے ربانی اہلِ جنت پر اُن کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطاء میں درجات بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام کے اعمال کا درجہ باقی اُمت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اگر اللہ کی راہ میں ایک مُد خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر ہوتا ہے، اور غیر صحابی اُحد پہاڑ کی برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک مُد اس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم

لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ خِطَابًا، اس جملہ کا تعلق پہلے جملے جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا سے بھی ہو سکتا ہے تو معنے یہ ہونگے کہ حق تعالیٰ جس کو جو درجہ ثواب کا عطا فرما دیں گے اُس میں کسی کو گفتگو کرنے کی مجال نہ ہوگی کہ فلاں کو زیادہ فلاں کو کم کیوں دیا گیا، اور اگر اس کو علیحدہ جملہ قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ محشر میں کسی کو بغیر اجازتِ حق تعالیٰ خطاب کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور یہ اجازت بعض مواقف حشر میں ہوگی بعض میں نہ ہوگی۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا، روح سے مراد بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک جبریلِ امین ہیں، ان کا ذکر عام ملائکہ سے پہلے انکی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے ہے۔ اور بعض روایاتِ مرفوعہ میں ہے کہ رُوح اللہ تعالےٰ کا ایک عظیم الشان لشکر ہے جو فرشتے نہیں، اُن کے سر اور ہاتھ پاؤں ہیں۔ اس تفسیر پر گویا دو صفیں ہوں گی، ایک صف رُوح کی دوسری فرشتوں کی۔

یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ، ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد روزِ قیامت ہے، اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لےگا خواہ اس طرح کہ نامۂ اعمال اسکے ہاتھ میں آجائیگا اسکو دیکھے گا، یا اس طرح کہ اعمال محشر میں مجسم اور متشکل ہوکر سامنے آجائیں گے جیسا کہ بعض روایاتِ حدیث سے ثابت ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس روز سے مراد موت کا دن ہو اور اپنے اعمال کا دیکھنا قبر و برزخ میں مراد ہو، کما فی المظہری۔

وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا، حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہوجائے گی جسمیں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کردیئے جاوینگے اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھا تو اس سے اسکا انتقام دلوایا جائیگا یہانتک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اسکا بھی بدلہ دلوایا جائیگا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہوجاؤ وہ سب مٹی ہوجائیں گے، اسوقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اسوقت مٹی ہوجاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے، نعوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تمت سورۃ النبا بحمد اللہ لیلۃ الجمعۃ ۲ شعبان ۱۳۹۱ھ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورۂ نازعات مکہ میں نازل ہوئی اس کی چھیالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا
قسم ہے گھسیٹ لانیوالوں کی غوطہ لگا کر اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر اور پیرنے والوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر
فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾
پھر کام بنانے والوں کی حکم سے جس دن کانپے کانپنے والی اس کے پیچھے آئے دوسری
قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ
کتنے دل اس دن دھڑکتے ہیں ان کی آنکھیں جھک رہی ہیں لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے
فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾
الٹے پاؤں کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا
فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾
سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے پھر تبھی وہ آ رہیں میدان میں کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی
اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
جب پکارا اس کو اسکے رب نے پاک میدان میں جسکا نام طویٰ ہے جا فرعون کے پاس اس نے
طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾
سر اٹھایا پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو
فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ
پھر دکھلائی اسکو وہ بڑی نشانی پھر جھٹلایا اُسنے اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا پھر سب کو جمع کیا،

فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ
پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر پھر پکڑا اُس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی
وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ
اور دُنیا کی بیشک اسمیں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا
السَّمَاۗءُ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾
آسمان کا، اُسنے اسکو بنالیا، اونچا کیا اسکا اُبھار پھر اسکو برابر کیا اور اندھیری کی رات اُس کی اور کھول نکالی اسکی دھوپ
وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ
اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھا دیا باہر نکالا زمین سے اسکا پانی اور چارا اور پہاڑوں کو
اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَاِذَا جَاۗءَتِ الطَّاۗمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾
قائم کر دیا کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ
يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ
جسدن کہ یاد کرے گا آدمی جو اُسنے کمایا اور نکال ظاہر کریں دوزخ کو جو چاہے دیکھے سو جس نے کی ہو
طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ
شرارت اور بہتر سمجھا ہو دُنیا کا جینا سو دوزخ ہی ہے اُس کا ٹھکانا اور جو کوئی
خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾
ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اُس نے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اُس کا ٹھکانا
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾
تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہوگا قیام اس کا تجھ کو کیا کام اُس کے ذکر سے
اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ
تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اس کی تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اسکو جو اس سے ڈرتا ہے ایسا لگے گا جس دن
يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾
دیکھیں گے اسکو کہ نہیں ٹھہرے تھے دُنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُس کی

خلاصۂ تفسیر

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو (مسلمانوں کی رُوح آسانی سے نکالتے ہیں گویا اُن کا) بند کھول دیتے ہیں اور جو (رُوحوں کو لیکر زمین سے آسمان کیطرف اس طرح سرعت وسہولت سے چلتے ہیں جیسے گویا) تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر (جب روحوں کو لیکر پہنچتے ہیں تو ان ارواح کے باب میں جو

خدا کا حکم ہوتا ہے اسکے امتثال کے لئے) تیزی کیساتھ دوڑتے ہیں پھر (ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں امروں میں سے) ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (ان سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) قیامت ضرور آوے گی جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (مراد نفخۂ اولیٰ ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی (مراد نفخۂ ثانیہ ہے) بہت سے دل اُس روز دھڑک رہے ہونگے اُن کی آنکھیں (مارے ندامت کے) جھک رہی ہونگی (مگر یہ لوگ قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور) کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہونگے (پہلی حالت سے مراد حیاتِ قبل الممات ہے یعنی کیا بعد الموت پھر حیاتِ ثانیہ ہوگی؟ مقصود استبعاد ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے پھر (حیات کی طرف) واپس ہونگے (مقصود استعجاب ہے کہ یہ سخت دشوار ہے) کہنے لگے کہ (اگر ایسا ہوا تو) اس صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی (کیونکہ ہم نے تو اسکے لئے کچھ سامان نہیں کیا، مقصود اس سے تمسخر تھا اہلِ حق کے اس عقیدہ کے ساتھ، یعنی ان کے عقیدہ پر ہم بڑے خسارہ میں ہوں گے جیسے کوئی شخص کسی کو خیرخواہی سے ڈرائے کہ اس راہ مت جانا شیر ملے گا اور مخاطب تکذیب کے طور پر کسی سے کہے کہ بھائی اُدھر مت جانا شیر کھا جاویگا مطلب یہ کہ وہاں شیر ویر کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے استبعاد و استعجاب مذکور کا رد ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کو بعید اور مشکل کہتے ہیں) تو (یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں بلکہ) وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہونگے (آگے مکذبین کی تخویف اور تکذیب پر آپکی تسلی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کیساتھ بیان کیا جاتا ہے، پس فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جبکہ اُن کو انکے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں (یہ اسکا نام ہے) پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اُس سے (جاکر) کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے، اور (تیری درستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیرے رب کی طرف (ذات و صفات کی) رہنمائی کروں تو تو (ذات و صفات کو سُن کر اس سے) ڈرنے لگے (اور اس ڈر سے درستی ہو جاوے، غرض یہ حکم سُن کر موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس گئے اور جاکر پیغام ادا کیا) پھر (جب اُس نے دلیل نبوت طلب کی تو) اُس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی (مراد معجزۂ عصا ہے یا بارادہ جنس مجموعۂ عصا و ید بیضا) تو اُس (فرعون) نے (اُن کو) جھٹلایا اور (اُن کا) کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ علیہ السلام سے) جُدا ہوکر (انکے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر (اُن کے سامنے) باآوازِ بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں (اعلیٰ قید واقعی کے طور پر کہا پس اصل مقصود اَنَا رَبُّكُمْ ہے اور اعلیٰ صفتِ مادحہ بڑھادی اور احترازی نہیں جس سے غیر اعلیٰ دوسرے رب کا ثبوت ہو) سو اللہ تعالیٰ نے اُس کو آخرت کے اور دُنیا کے عذاب میں پکڑا۔ (دنیوی عذاب تو غرق ہے اور اُخروی عذاب حَرق یعنی جلنا ہے) بیشک اِس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے، (آگے قیامت کو بعید یا مشکل سمجھنے کا عقلی جواب ہے یعنی) بھلا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا (فی نفسہٖ) زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (اور فی نفسہٖ اسلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نسبت

سے تو سب مساوی ہیں اور ظاہر ہے کہ آسمان ہی کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے، پھر جب اس کو پیدا کردیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے، آگے آسمان کے پیدا کرنے کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ) اللہ نے اسکو بنایا (اس طرح سے کہ) اسکی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہ کہیں اسمیں شقوق و فطور، پھٹا ہوا یا جوڑ پیوند تو نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر کیا (رات اور دن کو آسمان کیطرف اسلئے منسوب کیا کہ رات اور دن آفتاب کے طلوع اور غروب سے ہوتے ہیں اور آفتاب آسمان سے متعلق ہے) اور اُسکے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھاکر) اس سے اُس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اُس پر) قائم کردیا تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ پہنچانے کے لئے (اصل استدلال خلقِ سماء سے تھا مگر زمین کا ذکر شاید اسلئے کردیا کہ اسکے احوال ہر وقت پیشِ نظر ہیں اور گو سماء کے برابر نہ سہی لیکن فی نفسہٖ انسان کی تخلیق سے زمین کی تخلیق بھی اشد ہے پس حاصل استدلال کا یہ ہوا کہ جب ایسی ایسی چیزیں ہم نے بنادیں تو تمہارا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے آگے بعث کے بعد جو واقعات مجازاۃ کے متعلق ہونگے اُن کی تفصیل ہے یعنی قیامت کا امکان اور صحتِ وقوع تو ثابت ہوگیا) سو جب وہ بڑا ہنگامہ آویگا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کریگا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کیجاویگی تو (اُس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور (آخرت کا منکر ہوکر اُس پر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اسکا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا (کہ قیامت اور آخرت اور حساب کتاب پر اسکا ایمان مکمل ہو) اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا (یعنی اعتقادِ صحیح کے ساتھ عمل صالح بھی کیا) ہوگا سو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا (اور عمل صالح طریقِ جنت ہے موقوف علیہ نہیں، چونکہ کفار بقصدِ انکار قیامت کے اسکا وقت پوچھا کرتے تھے آگے اسکا جواب ہے یعنی) یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اسکا وقوع کب ہوگا (سو) اس کے بیان کرنے سے آپکا کیا تعلق (کیونکہ بیان کا موقوف علیہ علم ہے اور قیامت کا معین وقت ہم نے کسی کو بتلایا نہیں بلکہ) اُس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اخبار اجمالی سے) ایسے شخص کے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو (اور ڈر کر ایمان لانے والا ہو اور یہ لوگ جو جلدی مچا رہے ہیں تو کچھ لیس کہ) جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (اُن کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اسکے اوّل حصہ میں رہے ہیں (بس یعنی دنیا کی مدتِ طویلہ قصیر معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ عذاب بڑی جلدی آگیا جس کی یہ استدعا کرتے ہیں حاصل یہ کہ جلد بازی کیوں کرتے ہو وقوع کے وقت اسکو ہی سمجھو گے کہ بڑی جلد ہوگیا جس دیر کو اب دیر سمجھ رہے ہو یہ دیر معلوم نہ ہوگی)

معارف و مسائل

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا، نازعات، نزع سے مشتق ہے جس کے معنے کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے آتے ہیں، اور غرقاً اُس کی تاکید ہے کیونکہ غرق اور اغراق کے معنے کسی کام میں پوری قوت شدت خرچ کرنے کے ہیں۔ محاورہ

میں کہا جاتا ہے اغرق النازع فی القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اسکے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کردی اس سُورۃ کے شروع میں ملائکہ کی چند صفات اور حالات بیان کرکے انکی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم بدلالتِ حال حذف کردیا گیا، مراد اس سے قیامت اور حشر و نشر کا یقیناً واقع ہونا ہے۔ فرشتوں کی قسم شاید اس مناسبت سے کھائی گئی ہے کہ اگرچہ فرشتے اسوقت بھی تمام عالم کے نظم و نسق میں دخل رکھتے اور اپنی اپنی خدمت بجالاتے ہیں لیکن قیامت کے وقت اسبابِ مادیہ کے سب رشتے ٹوٹ جائینگے غیرمعمولی حالات و واقعات پیش آوینگے، ان واقعات میں فرشتے ہی کام کریں گے۔

فرشتوں کی اس جگہ پانچ صفات وہ بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کی موت اور نزعِ رُوح سے ہے مقصد تو قیامت کا حق ہونا بیان کرنا ہے، شروع اسکا انسان کی موت سے کیا گیا کہ ہر انسان کی موت خود اسکے لئے ایک جزوی قیامت ہے اور قیامت کے اعتقاد میں اسکا بڑا دخل ہے۔ ان پانچ صفات میں سے پہلی صفت اَلنّٰزِعٰتِ غَرْقًا، یعنی سختی کے ساتھ کھینچکر نکالنے والے، مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں، مراد اس سختی سے روحانی سختی اور تکلیف ہے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو اسی لئے بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی رُوح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے جو سختی اُس کی رُوح پر ہو رہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی خبر دینے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس جملے میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ کفار کی روح کو کھینچکر سختی سے نکالا جاتا ہے۔

دوسری صفت ہے وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا، ناشطات نشط سے مشتق ہے جس کے معنے بندھن کھولدینے کے ہیں جس چیز میں پانی یا ہوا وغیرہ بھری ہوں اسکا بندھن کھولدینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی کیساتھ نکل جاتا ہے اسمیں مؤمن کی روح نکلنے کو اس سے تشبیہ دیکر بتلایا ہے کہ جو فرشتے مؤمن کی قبض روح پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اُس کو قبض کرتے ہیں شدت نہیں کرتے، یہاں بھی آسانی رحانی مراد ہے جسمانی نہیں اس لئے کسی مسلمان بلکہ مرد صالح کو بوقت موت نزعِ روح میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس پر سختی ہو رہی ہے اگرچہ جسمانی طور پر یہ سختی دیکھی جاتی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ کافر کو نزعِ روح کے وقت ہی سے برزخ کا عذاب سامنے آجاتا ہے اسکی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے، فرشتے کھینچکر نکالتے ہیں، اور مؤمن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اُس کی رُوح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔

تیسری صفت فرشتوں کی وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ہے، سبح کے لغوی معنے تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزلِ مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کیطرف لیجاتے ہیں۔

چوتھی صفت فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اسکے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت اور عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مؤمن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور

نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پانچویں صفت فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ہے۔ امرالٰہی کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اسکے لئے راحت کے سامان جمع کردیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اسکے لئے اسکا انتظام کردیں۔

قبر میں ثواب و عذاب موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض کرکے آسمان کیطرف لیجانا پھر اسکے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کردینا ان آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہوگیا۔ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب و ثواب اس کے بعد ہے احادیث صحیحہ میں اسکی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ حضرت براء بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ رہ کی تحقیق مفید تفسیر مظہری کے حوالہ سے نفس و روح کی حقیقت پر کچھ کلام سورۂ حجر کی آیت ۲۹ کے تحت گزر چکا ہے۔ اسی سلسلے کی مزید تحقیق و توضیح بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اسکے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے اور وہ انھیں مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں مگر درحقیقت رُوح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفۂ ربانی ہے جو اس طبعی رُوح یعنی نفس کیساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی رُوح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے گویا اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اس جسم لطیف یعنی نفس کیساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم اسکے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جسکا نام نفس ہے اسکو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھدیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اسمیں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے نفسِ انسانی اگر تعلیم وحی کیمطابق ریاضت و محنت کرلیتا ہے تو وہ بھی منوّر ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لیجاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں جبکہ وہ منور ہو چکا ہو، ورنہ آسمان کے دروازے اسکے لئے نہیں کُھلتے، اوپر ہی سے نیچے پٹخ دیا جاتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کے بارہ میں حدیث مذکور میں ہے کہ ہمنے اسکو زمین کی مٹی سے پیدا کیا، پھر اسمیں لوٹائیں گے پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے یہی جسم لطیف اعمالِ صالحہ سے منوّر اور خوشبودار بنجاتا ہے اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اسکا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ہوتا ہے اُس پر موت طاری نہیں ہوتی، قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے

اور روح مجرد اسکے ثواب عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے، اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنے نفس کے صحیح ہے اور اسکا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنے روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ آگے قیامت کے وقوع اور اسمیں پہلے نفخ صور سے سارے عالم کی فنا پھر دوسرے سے سارے عالم کی دوبارہ ایجاد اور اس پر کفار کے شبہ استبعاد کا جواب مذکور ہے اس کے آخر میں فرمایا فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ساہرہ سطح زمین کو کہا جاتا ہے۔ قیامت میں جو زمین دوبارہ پیدا کی جاوے گی وہ پوری ایک سطح مستوی ہوگی۔ اسمیں آڑ پہاڑ عمارت یا غار نہیں ہوگا، اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے، اسکے بعد کفار منکرین قیامت کی ضد اور عناد سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی تھی اسکا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرکے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے ایسی ایذائیں کچھ آپکے لئے مخصوص نہیں، انبیاء سابقین کو بھی بڑی بڑی ایذائیں ان سے پہنچی ہیں، انھوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیں۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى، نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور سب سہم جائیں، نکالِ آخرت فرعون کے لئے آخرت کا عذاب ہے، اور نکال اُولیٰ سے مراد وہ عذاب۔ ہے جو دُنیا میں اس کی پوری قوم کے غرق دریا ہو جانے سے ان کو پہنچا۔ آگے پھر منکرین حشر و نشر کے اس استبعاد اور شبہ کا ازالہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، اسمیں حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور انکے اندر پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کرکے انسان غافل کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس ذات نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو ابتدائی وجود بغیر کسی مادہ و آلہ کے عطا فرمایا وہ اگر ان کو نیست و نابود کرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا فرمادے تو تمہارے تعجب کا کیا مقام ہے۔ آگے پھر روز قیامت کی شدت اور اُس روز ہر شخص کے اعمال کا سامنے آجانا اور اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے دونوں ٹھکانوں کا بیان اور آخر میں اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کی خاص خاص علامات کا بیان ہے جس سے ایک انسان دُنیا ہی میں یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ضابطہ سے میرا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں، ضابطہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کسی کی شفاعت یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کی رحمت کسی جنہی کو اُس سے آزاد کرکے جنت میں پہنچا دینا جیسا کہ بہت سی آیات و روایاتِ حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ایک استثنائی حکم ہے اور اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانے کا وہی ہے جو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

پہلے اہلِ جہنم کی خاص علامات بیان کی گئی وہ دو ہیں فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، اول طغیان یعنی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے احکام کی پابندی کے بجائے سرکشی کرنا، دوسرے دُنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا۔ یعنی جب ایسا کوئی کام سامنے آئے کہ اسکے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے مگر آخرت میں سپر عذاب مقرر ہے اسوقت وہ دُنیا کی لذت کو ترجیح دے کر آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دے۔ جو شخص دُنیا میں ان دو بلاؤں میں مبتلا ہے اس کے لئے فرمادیا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى، یعنی جہنم ہی اُسکا ٹھکانا ہے، اسکے بعد اہلِ جنت کی اسی طرح دو علامتیں بتلائی ہیں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى،

اول یہ کہ جس شخص کو دُنیا میں اپنے ہر عمل ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہوگا، دوسرے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، ناجائز خواہشوں سے اسکو روکدیا جس نے دُنیا میں یہ دو وصف حاصل کرلئے قرآن کریم نے اسکو یہ خوشخبری دیدی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔

مخالفت نفس کے تین درجے | آیت مذکورہ میں جنت کے ٹھکانے کی دو شرطیں بتلائی ہیں اور غور کیا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے، کیونکہ پہلی شرط خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ دوسری شرط نفس کو ہوئی سے روکنا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو اتباعِ ہوئی سے روکنے والی چیز ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالفت ہوئی کے تین درجے ہیں۔

اوّل درجہ۔ تو یہ ہے کہ آدمی اُن عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر منصوص اور اجماعِ سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچکر وہ سُنّی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت اور گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آجائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ کو ترک کردے۔ اسی متوسط درجہ کا تکملہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح و جائز کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جانیکا خطرہ ہو اُس جائز کام کو بھی ترک کردے، جیسا کہ حضرت نعمانؓ بن بشیر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے شبہات سے پرہیز کرلیا اُسنے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جو شخص شبہات میں مبتلا ہوگیا وہ بالآخر محرمات میں مبتلا ہو جائیگا، مراد شبہات سے وہ کام ہیں جنمیں جائز و ناجائز ہونیکے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار ہے وضو کرنے پر قادر تو ہے اور اسکا یقین پورا نہیں کہ میرے لئے وضو کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہوگیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اسکی وجہ سے یہ اشتباہ ہوگیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لئے درست ہے یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکائدِ نفس | نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سیئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی انمیں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہوئی نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہو جاتی ہے، ریا و نمود، خود پسندی، یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائے نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست و صحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہوئی نفس ہے جسکی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے، مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اسکے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ماہر شیخ کی خدمتیں رہ کر مجاہدات کرکے عیوبِ نفس اور انکے معالجہ سے واقف ہوا پنے آپکو اسکے حوالہ کردے اور اسکے مشورہ پر عمل کرے۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخی رہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے، اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اسکو گمراہ کرے اور فرمایا کہ کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو، اسوقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عُجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہوگا اسی سے روک دیگا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے، شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس ۲۰ مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تاکہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائے نفسانی کا یہ ہے کہ کثرتِ ذکر اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مزکّیٰ بنا لے کہ اسمیں وہ ہوائے نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کو شر کی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت خاصّہ کا مقام ہے اور اُسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا، اور یہی مصداق ہیں اُس حدیث کے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ، یعنی تم میں کوئی شخص اسوقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفسانی میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں (اللّٰھم ارزقناہ بفضلک وکرمک)

آخر سورت میں کفار کے اس معاندانہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کی معین تاریخ اور وقت بتلانے پر اصرار کرتے تھے حاصل جواب یہ ہے کہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص رکھا ہے اسکی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی ہے اسلئے یہ مطالبہ لغو ہے۔

تمت سورة النازعات الحمد للہ ۲۶ شعبان ۱۳۹۱ھ دوشنبہ

سُوْرَۃُ عَبَسَ

سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ اِثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً وَّفِیْهَا رُکُوْعٌ وَّاحِدٌ وَّکَذَا الخ

سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیالیس ۴۲ آیتیں ہیں اور ایک رکوع اور اسی طرح آخر تک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ② وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰۤی ③ اَوْ

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا

یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ⑥ وَ

سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھانا وہ جو پروا نہیں کرتا سو تو اس کی فکر میں ہے اور

مَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ⑧ وَهُوَ یَخْشٰی ⑨ فَاَنْتَ

تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سو تو

عَنْهُ تَلَهّٰی ⑩ کَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْکِرَۃٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ ⑫ فِیْ صُحُفٍ

اس سے تغافل کرتا ہے یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے لکھا ہے عزت کے

مُّکَرَّمَۃٍ ⑬ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَهَّرَۃٍ ⑭ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ⑮ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ ⑯

ورقوں میں اونچے رکھے ہوئے نہایت ستھرے ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو بڑے درجہ والے نیکو کار ہیں

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَکْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَۃٍ

مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے کس چیز سے بنایا اس کو ایک بوند سے

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ㉑ ثُمَّ اِذَا

بنایا اس کو پھر اندازہ پر رکھا اسکو پھر راہ آسان کر دی اسکو پھر اسکو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اسکو پھر جب

شَآءَ اَنْشَرَهٗ ㉒ کَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ㉓ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی

چاہا اٹھا نکالا اس کو ہرگز نہیں پورا نہ کیا جو اس کو فرمایا اب دیکھ لے آدمی اپنے

طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا
کھانے کو کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر پھر اُگایا

فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّ
اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھن کے باغ اور

فَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾
میوہ اور گھاس کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾
جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾
ہر مرد کو ان میں سے اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اسکے لئے کافی ہے کتنے منہ اُس دن روشن ہیں

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا
ہنستے خوشیاں کرتے اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے چڑھی آتی ہے

قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾
اُن پر سیاہی یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ

خلاصۂ تفسیر

شانِ نزول ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعض رؤسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے، بعض روایات میں انہیں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، اُبَی بن خلف، اُمیہ بن خلف، شیبہ، کہ اتنے میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا، یہ قطع کلام آپکو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا، اور ناگواری کیوجہ سے آپ چیں بجبیں ہوئے، جب اس مجلس سے اُٹھ کر گھر جانے لگے تو آثار وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی الخ نازل ہوئیں، اسکے بعد جب وہ آپکے پاس آتے آپ بڑی خاطر کرتے تھے ھذہ الروایات کلھا فی الدر المنثور۔ غرض واقعہ مذکور کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ) پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بجبیں ہوئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا (یہاں تو غائب کے صیغہ سے فرمایا اور یہ متکلم کے انتہائی لطف وکرم اور مخاطب کی تکریم ہے کہ رُو در رُو اس امر کی نسبت نہیں فرمائی) اور (آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اسلئے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو، ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا یا (کم سے کم کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا، تو جو

شخص (دین سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں، حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے (اس کی بے پرواہی ذکر کرکے اسکی طرف زیادہ توجہ نہ دینے کی ہدایت ہے) اور جو شخص آپکے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (ان آیات میں آپکی اجتہادی لغزش پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے، منشاء اس اجتہاد کا یہ تھا کہ یہ امر تو متیقن اور ثابت ہے کہ اہم کام کو مقدم کرنا چاہیئے، آپ نے کفر کی اشدیت کو موجب اہمیت سمجھا جیسے دو بیمار ہوں ایک کو ہیضہ ہو اور دوسرے کو زکام، تو ہیضہ کے مریض کا علاج مقدم ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مرض کی شدت اُسوقت موجب اہمیت ہے جب دونوں مریض طالب علاج ہوں، لیکن اگر مرض شدید والا علاج کا طالب ہی نہیں بلکہ مخالف ہو تو پھر مقدم وہ ہوگا جو طالب علاج ہے اگرچہ مرض اسکا خفیف ہو آگے ان مشرکین کیطرف اسقدر توجہ ضروری نہ ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے (کیونکہ) قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے (اور آپکے ذمہ صرف اسکی تبلیغ ہے) سو جسکا جی چاہے اس کو قبول کرے (اور جو قبول نہ کرے وہ جانے، آپ کا کوئی ضرر نہیں، پھر آپ اسقدر اہتمام کیوں فرماتے ہیں۔ آگے قرآن کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ) وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو (عنداللہ) مکرم ہیں (یعنی پسندیدہ و مقبول ہیں، اور) رفیع المکان ہیں (کیونکہ لوح محفوظ تحت العرش ہے کما فی الدر المنثور سورۃ البروج، اور وہ) مقدس ہیں (شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں، کقولہ تعالیٰ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ) جو ایسے لکھنے والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے) ہیں کہ وہ مکرم (اور) نیک ہیں (یہ سب صفات اسکے من جانب اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیساکہ سورۂ واقعہ کی آیت لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ میں بیان ہوا ہے اور لوح محفوظ ہر چند کہ شئ واحد ہے مگر اسکے اجزاء کو صُحُف سے تعبیر فرمایا، اور ان فرشتوں کو کاتب اسلئے کہا کہ یہ لوح محفوظ سے بامر الٰہی نقل کرنیوالے ہیں۔ حاصل آیات کا یہ ہوا کہ قرآن من جانب اللہ نصیحت کے لئے ہے، آپ نصیحت کرکے اپنے فرض سے فارغ ہوجاویں گے خواہ کوئی ایمان لاوے یا نہ لاوے پس اس قسم کی تقدیم تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں، یہاں تک آداب تذکیر و تبلیغ کے تھے آگے کفار کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے پر تشنیع ہے کہ منکر) آدمی پر (جو ایسے تذکرہ سے نصیحت حاصل نہ کرے جیسے ابوجہل وغیرہ جن کو آپ سمجھاتے تھے اور وہ نہ سمجھے تو ایسے شخص پر) خدا کی مار کہ وہ کیسا ناشکرا ہے (وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اسکو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب ہے کہ) نطفہ سے (پیدا کیا، آگے اسکی کیفیت مذکور ہے کہ بہت سے انقلابات اور تغیرات کے بعد) اسکی صورت بنائی پھر اس (کے اعضاء) کو اندازے سے بنایا (جیساکہ سورۂ القیامۃ کی آیت فَخَلَقَ فَسَوّٰى میں گزر چکا ہے) پھر اسکو (نکلنے کا) راستہ آسان کردیا (چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسے تنگ موقع سے اچھے خاصے تنومند بچہ کا صحیح سالم نکل آنا صاف دلیل ہے اللہ کے قادر اور عبد کے مقدور ہونے کی) پھر (بعد عمر ختم ہونیکے) اسکو موت دی پھر اسکو قبر میں لے گیا (خواہ اول سے خاک میں رکھدیا جائے یا بعد چندے خاک میں ملجائے) پھر جب اللہ چاہے گا اسکو دوبارہ زندہ کردیگا (مطلب یہ کہ سب تصرفات دلیل ہیں انسان کے داخل قدرت الٰہیہ ہونیکی اور نعمت

بھی ہیں۔ بعضے حسی بعضے معنوی جسکا مقتضی تھا وجوب طاعت و ایمان مگر اس نے) ہرگز (شکر) نہیں (ادا کیا اور اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا، سو انسان کو چاہیئے کہ (اپنی خلیق کے ابتدائی حالات پر نظر کرنے کے بعد اسباب بقاء و تعیش پر نظر کرے مثلاً) اپنے کھانے کیطرف نظر کرے (تاکہ وہ باعث ہو حق شناسی اور اطاعت و ایمان کا اور آگے نظر کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں وہ یہ) کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا، پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا، پھر ہمنے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا (بعضی چیزیں) تمھارے اور (بعضی چیزیں) تمھارے مواشی کے فائدہ کے لئے (اور یہ سب بھی نعمت اور دلیل قدرت ہیں، اور اس مجموع میں ہر جزو مقتضی ہے وجوب شکر ایمان کو، یہانتک تشنیع ہوگئی نصیحت قبول نہ کرنے پر، آگے عدم تذکر پر سزا اور تذکر پر ثواب آخرت مذکور ہے۔ یعنی اب تو یہ لوگ ناشکری اور کفر کرتے ہیں) پھر جسوقت کانوں کا بہرا کردینے والا شور برپا ہوگا (یعنی قیامت اُسوقت ساری ناشکری کا مزا معلوم ہو جائیگا، آگے اس دن کا بیان ہے کہ) جس روز (ایسا) آدمی (جسکا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کریگا، کقولہ تعالیٰ لَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا وجہ یہ کہ) ان میں ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اسکو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا (یہ تو کفار کا حال ہوگا، آگے مجموعۂ مومنین اور کفار کی تفصیل ہے کہ) بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہونگے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی (اور اس ظلمت کیساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی یہی لوگ کافر فاجر ہیں (کافر سے اشارہ ہے فساد عقائد کی طرف اور فاجر سے فساد اعمال کی طرف)

معارف و مسائل

شانِ نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم نابینا صحابی رض کا نقل کیا گیا ہے اسمیں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رض کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی (مظہری) اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل ابن ہشام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رض تھے جو اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر عبداللہ ابن ام مکتوم رض کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرکیے معمولی سوال پر فوری جواب کے لئے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن ام مکتوم پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش

تھے دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے جواب کے مؤخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا بخلاف رؤسائے قریش کے کہ یہ لوگ ہر وقت آپکی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جا سکتا ہے، اسوقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے انکے ایمان لانیکی توقع کیجا سکتی تھی اور ان کی بات کاٹ دیجاتی تو ایمان ہی سے محرومی انکی ظاہر تھی۔ ان مجموعہ حالات کیوجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رض سے رُخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغ حق کی رؤسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اُس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۂ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جس میں آپ کے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کیخلاف طرز گفتگو اختیار کرے اسکو کچھ تنبیہ ہونی چاہیئے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لئے تو آپ نے حضرت ابن اُمِّ مکتوم سے رُخ پھیر لیا، اور دوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں انکے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہیئے بمقابلے دین کے فروعی احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم چاہتے تھے مگر حق تعالیٰ جل شانہٗ نے آپکے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اسکے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپکا مخالف آپ کی بات سُننا بھی پسند نہیں کرتا اُس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے، موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہیئے اور عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم سے جو آداب مجلس کیخلاف بات سرزد ہوئی اُن کا عذر قرآن نے لفظ اعمیٰ کہکر بتلا دیا کہ وہ نابینا تھے اسلئے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپ اسوقت کس شغل میں ہیں، کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے اسلئے وہ معذور تھے، مستحق اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذور آدمی سے بیخبری میں کوئی بات آداب مجلس کے خلاف ہو جائے تو وہ قابل عتاب نہیں ہوتا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی، عَبَسَ کے معنے ترشروئی اختیار کرنا یعنی چہرہ سے اظہار ناگواری کرنا اور تَوَلّٰی کے معنے رُخ پھیر لینے کے ہیں۔ اس جگہ موقع اسکا تھا کہ یہ الفاظ آپ کو بصیغہ خطاب کہے جاتے کہ آپ نے ایسا کیا۔ لیکن قرآن کریم نے صیغہ خطاب کے بجائے صیغہ غائب اختیار کیا جس میں عتاب کی حالتیں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اکرام ملحوظ رکھا گیا اور صیغہ غائب اختیار کرکے یہ ایہام کیا کہ جیسے یہ کام کسی اور نے کیا ہو اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کام آپکے شایان شان نہیں، اور دوسرے جملے میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عذر کی طرف اشارہ فرما دیا وَمَا یُدْرِیْكَ (یعنی آپ کو کیا خبر) اس میں بتلا دیا کہ اعراض کی وجہ یہ پیش آئی ہے کہ آپ کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کر رہے ہیں اسکا اثر یقینی ہے اور غیروں سے گفتگو کا اثر موہوم۔ اور اس دوسرے جملے میں صیغہ غائب چھوڑ کر صیغہ خطاب کا اختیار فرمانے میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور دلجوئی ہے کہ اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو یہ شبہ

ہو سکتا تھا کہ اس طرزِ عمل کی ناپسندیدگی ترکِ خطاب کا سبب بن گئی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ناقابلِ برداشت رنج والم ہوتا، اسلئے جس طرح پہلے جملہ میں خطاب کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کرنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے اسی طرح دوسرے جملے میں خطاب کرنا بھی آپ کی تکریم اور دلجوئی ہے۔

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى، یعنی آپ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ اُن کو تعلیم دیتے تو یہ اُس کے ذریعہ اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے اور کمال حاصل کر لیتے اور یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم اس ذکر اللہ سے وہ ابتدائی نفع اُٹھاتے کہ اس سے انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کی ترقی ہو جاتی۔ لفظ ذکریٰ کے معنے کثرتِ ذکر کے ہیں (کذا فی الفتح)

یہاں قرآن کریم نے دو جملے اختیار فرمائے يَزَّكّٰٓى اور يَذَّكَّرُ، پہلے کے معنے پاک صاف ہو جانے کے ہیں اور دوسرے کے معنے نصیحت حاصل کرنے اور ذکر سے متاثر ہونے کے ہیں۔ پہلا مقام ابرار و اتقیاء کا ہے۔ جو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف کر لیں اور دوسرا مقام طریقِ دین پر چلنے کے ابتدائی حال کا ہے کہ مبتدی کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و خوف اسکے دل میں مستحضر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو تعلیم دینا نفع سے کسی حال خالی نہیں تھا خواہ نفع کامل ہو جاتا کہ تزکیۂ نفس مکمل حاصل کر لیتے یا ابتدائی نفع حاصل ہوتا کہ اللہ کی یاد اور عظمت و خوف انکے دل میں بڑھ جاتا اور دونوں جملے بحرفِ ترديد یعنی اَوْ کے ساتھ استعمال کئے گئے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا اس میں اصطلاحی مانعۃ الخلو ہے یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں کہ ابتداءً تذکر ہو اور اسکے بعد تزکیہ، مانعۃ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں (مظہری)

تبلیغ و تعلیم کے لئے ایک اہم اصولِ قرآنی اس موقع میں یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے، ایک مسلمان کو تعلیم اور اُس کی تکمیل اور دلجوئی، دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لئے اُن کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور اُن کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے۔

اس میں اُن علماء کے لئے ایک اہم ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہات یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں اُن کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاحِ حال کو مقدم رکھنا چاہیئے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ؎

بے وفا سمجھیں تمہیں اہلِ حرم اس سے بچو ✤ دَیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی

بعد کی آیتوں میں قرآن کریم نے اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى، یعنی جو شخص آپ سے اور آپ کے دین سے استغنار اور بے رُخی برت رہا ہے آپ اُس کے تو درپے ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائے حالانکہ یہ آپ کے ذمہ نہیں، اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص دوڑتا ہوا طلبِ علم دین کے لئے آیا اور وہ خدا تعالےٰ سے ڈرنے والا بھی ہے آپ اُسکی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس میں واضح طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمانوں کی تعلیم اور اصلاح و تربیت کر کے اُن کو پکا مسلمان اور قوی مؤمن بنانا یہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے زیادہ اہم اور مقدم ہے اس کی فکر زیادہ ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے تذکرہ نصیحت ہونا اور اسکا مکرم عالیشان ہونا بیان فرمایا ہے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ، صحف سے مراد نوحِ محفوظ ہے وہ اگرچہ ایک ہی ہے مگر اسکو بصیغۂ جمع صحف سے تعبیر اس لئے کیا گیا کہ اس میں سب صحائفِ آسمانی لکھے ہوتے ہیں یا اس لئے کہ فرشتے اپنے صحیفے اُس سے نقل کرتے ہیں۔ مرفوعہ سے مراد اُن صحیفوں کا عند اللہ عالیشان ہونا ہے۔ اور مطہرہ سے مُراد یہ ہے کہ جنابت والے آدمی اور حیض نفاس والی عورت اور بے وضو کے لئے اُن کا چھونا جائز نہیں۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ، سَفَرَة بفتحتین سافر کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنی کاتب کے ہیں، اس صورت میں اس سے مراد فرشتے، کرام کاتبین یا انبیاء علیہم السلام اور اُن کی وحی کو لکھنے والے حضرات ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے یہی تفسیر منقول ہے۔

اور لفظ سَفَرَة، سفیر بمعنے قاصد کی جمع بھی ہو سکتی ہے، اس صورت میں اس سے مراد رسل ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہوں گے، اور علمائے اُمت بھی اسمیں داخل ہیں، کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان سفیر اور قاصد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قرأت میں بھی ماہر ہے تو وہ سَفَرہ کرام ابرار کے ساتھ ہے۔ اور جو شخص ماہر نہیں مگر تکلف کے ساتھ مشقت اُٹھا کر قرأت صحیح کر لیتا ہے اُس کے لئے دوہرا اجر ہے (رواہ الشیخان عن عائشہؓ۔ مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماہر کو دو اجر ملتے ہیں ایک قرأتِ قرآن کا دوسرا مشقت اُٹھانے کا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ماہر کو بے شمار اجر ملیں گے (مظہری)

سابقہ آیات میں قرآنِ کریم کا عالیشان واجب الایمان ہونا بیان کرنے کے بعد کافر انسان جو قرآن کے منکر ہیں اُن پر لعنت اور اللہ کی نعمت کی ناشکری پر تنبیہ ہے اور قرآن کا منجانب اللہ ایک نعمتِ عظیم ہونا تو ایک معنوی چیز ہے جس کو اہلِ علم و فہم ہی سمجھ سکتے ہیں، آگے اُن انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہے جو انسان کی تخلیق سے آخر تک انسان پر مبذول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مادی اور محسوس چیز ہے جسکو ادنیٰ شعور والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اسی سلسلے میں تخلیقِ انسانی کا ذکر فرمایا مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ پہلے تو اس میں ایک سوال کیا گیا کہ اے انسان تو غور کر کہ تجھے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا ہے اور چونکہ اسکا

جواب متعین ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا جواب ہو ہی نہیں سکتا، اسلئے پھر خود ہی فرمایا مِنْ نُّطْفَةٍ، یعنی انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر فرمایا خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ، یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنا دیا بلکہ اس کو ایک خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا، اُس کے قد و قامت اور جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء کے طول و عرض اور جوڑ بند اور آنکھ ناک کان وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم فرمایا کہ ذرا اسکے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے اور کام کاج مصیبت بن جائے۔

اور لفظ قَدَّرَهٗ سے یہاں یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انسان جس وقت بطنِ مادر میں زیرِ تخلیق ہوتا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ اس کی چار چیزوں کی مقدار لکھ دیتے ہیں، وہ یہ کہ وہ کیا کیا اور کیسے کیسے عمل کریگا، اُسکی عمر کتنی ہوگی، اُس کو رزق کتنا ملے گا، اور وہ انجام کار سعید و نیک بخت ہوگا یا شقی بدبخت (کمافی حدیث ابن مسعود عند الشیخین)

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ، یعنی حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انسان کی تخلیق بطنِ مادر کی تین اندھیریوں اور ایسے محفوظ مقام میں فرمائی کہ جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اسکو بھی اس تخلیق کی تفصیل کی کچھ خبر نہیں، پھر یہ زندہ تمام اعضاء و جوارح سے مکمل انسان جس جگہ میں بنا ہے وہاں اُس دُنیا میں آنیکا راستہ بھی باوجود تنگ ہونیکے حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی نے آسان فرما دیا کہ چار پانچ پونڈ کا وزنی جسم صحیح سالم برآمد ہو جاتا ہے اور ماں کے وجود کو بھی اس سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ، تخلیقِ انسانی کی ابتداء بیان کرنے کے بعد اس کی انتہا موت اور قبر پر ہے اسکا ذکر بسلسلۂ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں نعمت ہی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحفة المؤمن الموت کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے اور اسمیں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں، اور فَاَقْبَرَهٗ کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مرگیا تو وہیں زمین پر سڑتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اُسکا اکرام یہ کیا گیا کہ اُس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ - اس آیت سے معلوم ہوا کہ مُردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ، اس میں تخلیقِ انسانی کی ابتداء و انتہا اور اُنمیں حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور انعامات کا ذکر کرنے کے بعد سنکر انسان کو تنبیہ کی گئی کہ ان آیاتِ الٰہیہ اور انعامات کا تقاضا تھا کہ انسان ان میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاتا اور اسکے احکام کی تعمیل کرتا مگر اس بدنصیب نے ایسا نہیں کیا، آگے پھر اُن انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ ہے جو تخلیقِ انسانی کی ابتداء و انتہا کے درمیانی زمانے میں انسان پر مبذول ہوتے ہیں کہ انسان کا رزق کس طرح پیدا کیا جاتا ہے کہ آسمان سے پانی برستا ہے، بیج اور دانہ جو زمین میں مدفون ہے یہ بارش

اسمیں ایک حیاتِ نباتی پیدا کرتی ہے جس کے ذریعہ ایک نحیف و ضعیف کونپل زمین کو شق کر کے اوپر نکلتی ہے اور پھر اس سے انواع و اقسام کے غلّے میوے اور باغات وجود میں آتے ہیں۔ ان سب انعاماتِ الٰہیہ پر انسان کو مکرر سکرر تنبیہ کے بعد آخر سورت میں پھر قیامت کا ذکر ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ، صاخّہ ایسے شور اور سخت آواز کو کہتے ہیں جس سے انسان کے کان بہرے ہو جائیں مراد اس سے شورِ قیامت یعنی نفخۂ صور ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ، یہ محشر میں سب کے جمع ہونے کے وقت کا بیان ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے فکر میں اور نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، دُنیا میں جو رشتے ناتے ایسے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں اُس عالم میں ہر شخص اپنی اپنی ایسی فکر میں مبتلا ہوگا کہ کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا بلکہ سامنے دیکھے گا تو بھی گریز کریگا۔ انسان اپنے بھائی سے ماں باپ سے بیوی اور اولاد سے منہ چھپاتا بھاگتا پھریگا، دُنیا میں تعاون و تناصر اور امداد باہمی بھائیوں میں ہوتی ہے اس سے زیادہ ماں باپ کی امداد و اعانت کی فکر ہوتی ہے طبعی طور پر اُن سے بھی زیادہ بیوی اور اولاد سے تعلق ہو جاتا ہے اسمیں ادنیٰ سے اعلیٰ تعلق کیطرف ترتیب سے بیان فرمایا ہے، آگے اس میدانِ حشر میں مؤمنین اور کفار کے انجام کا ذکر کر کے سورت ختم کی گئی ہے۔

تمت سورۂ عبس والحمد للہ لیلۃ الاربعاء ۷ شعبان ۱۳۹۱ھ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْر

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اُنتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَ

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے اور جب تارے میلے ہو جائیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور

اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَ

جب بیاتی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے اور جب دریا جھونکے جائیں اور

اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝٩

جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں اور جب بیٹی جیتی گاڑی گئی کو پوچھیں کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝١٠ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَ

اور جب اعمالنامے کھولے جائیں اور جب آسمان کا پوست اُتار لیں اور جب دوزخ دہکائی جائے اور

اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝١٤ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝١٥

جب بہشت پاس لائی جائے جان لیگا ہر ایک جی جو لے کر آیا، سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانیوالوں

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝١٦ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝١٧ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝١٨ اِنَّهٗ

سیدھے چلنے والوں دبک جانیوالوں کی، اور رات کی جب پھیل جائے اور صبح کی جب دم بھرے مقرر یہ

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝١٩ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝٢٠ مُّطَاعٍ

کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا

ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝٢١ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝٢٣ وَ

وہاں کا معتبر ہے اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں اور اسنے دیکھا ہے اس فرشتہ کو آسمان کے کھلے کنارہ کے پاس اور

مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝٢٤ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝٢٥ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝٢٦

یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٢٧ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝٢٨ وَمَا

یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے اور تم

تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٩

جبھی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک

خُلاصۂ تفسیر

جب آفتاب بے نور ہو جاویگا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اُونٹنیاں چھٹی پھریں گی، اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے (یہ چھ واقعے تو نفخۂ اولیٰ کے وقت ہونگے جبکہ دُنیا آباد ہوگی اور اس نفخہ سے یہ تغیرات و تبدلات واقع ہونگے اور اُسوقت اُونٹنیاں وغیرہ بھی اپنی اپنی حالت پر ہونگی جنمیں بعضے وضعِ حمل کے قریب ہونگی جو کہ عرب کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی مال ہے جس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں مگر اسوقت ہل چل میں کسی کو کہیں کا ہوش نہ رہیگا اور وحوش بھی مارے گھبراہٹ کے سب گڈمڈ ہو جاوینگے اور دریاؤں میں اوّل طغیانی پیدا ہوگی اور زمین میں شقوق واقع ہو جاویں گے جس سے سب شیریں اور شور دریا ایک ہو جاویگے جسکا ذکر آئندہ سُورت میں وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ میں فرمایا ہے۔ پھر شدتِ حرارت سے سب کا پانی آگ ہو جاویگا، شاید اوّل ہوا ہو جاوے پھر ہوا آگ بنجاوے اسکے بعد عالم فنا ہو جاویگا) اور (اگلے چھ واقعات بعد نفخۂ ثانیہ کے ہونگے جنکا بیان یہ ہے کہ) جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے (کافر الگ، مسلمان الگ، پھر انمیں ایک ایک طریقہ کے الگ الگ) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاویگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کیگئی تھی (مقصود اس پوچھنے سے زندہ درگور کرنیوالے ظالموں کا اظہارِ جرم ہے) اور جب نامۂ اعمال کھولدیے جاویگے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں کقولہ تعالیٰ يَلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اسکے کھلنے سے آسمان کے اُوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور نیز اسکے کھلنے سے غمام کا نزول ہوگا جسکا ذکر پارہ ۱۹ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ، آیت وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ میں آیا ہے) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جاویگی، اور جب جنت نزدیک کردی جاویگی (کما فی سورۂ قٓ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، جب یہ سب واقعات نفخۂ اُولیٰ اور ثانیہ کے واقع ہو جاویں گے تو اُسوقت) ہر شخص اُن اعمال کو جان لیگا جو لیکر آیا ہے (اور جب ایسا واقعہ ہائلہ ہونیوالا ہے) تو (میں منکرین کو اسکی حقیقت بتلاتا ہوں اور مصدقین کو اسکے لئے آمادہ کرتا ہوں، اور یہ دونوں امر قرآن کی تصدیق اور اسپر عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں کہ اسمیں اسکا اثبات اور نجات کا طریق ہے

اسلئے) میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں (اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں) جا چھپتے ہیں (ایسا امر پانچ سیاروں کو پیش آتا ہے کہ کبھی سیدھے چلتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں اور اُن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ زحل، مشتری، عطارد، مریخ، زہرہ) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے، اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کا لایا ہوا جو قوت والا ہے (کما فی النجم عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى اور) مالک عرش کے نزدیک ذی رُتبہ ہے (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اسکا کہنا مانا جاتا ہے (یعنی فرشتے اسکا کہنا مانتے ہیں جیسا حدیثِ معراج سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکے کہنے سے فرشتوں نے آسمانوں کے دروازے کھولدیئے اور) امانتدار ہے (کہ وحی کو صحیح پہنچا دیتا ہے پس وحی لانیوالا تو ایسا ہے) اور (آگے جن پر وحی نازل ہوئی اُن کی نسبت ارشاد ہے کہ) یہ تمھارے ساتھ کے رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنکا حال بخوبی تم کو معلوم ہے) مجنون نہیں ہیں (جیسا منکرینِ نبوت کہتے تھے) اور انھوں نے اس فرشتہ کو (اصلی صورت میں آسمان کے) صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے (صاف کنارہ سے مراد بلند کنارہ ہے کہ صاف نظر آتا ہے کما فی النجم وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اور اسکا مفصل بیان سورۂ نجم میں گزرا ہے) اور یہ پیغمبر مخفی (بتلائی ہوئی وحی کی) باتوں پر بخل کرنیوالے بھی نہیں (جیسا کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتلاتے تھے اس سے کہانت کی بھی نفی ہو گئی اور اس کی بھی کہ آپ اپنے کام کا کسی سے معاوضہ لیں) اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے (اس سے نفی کہانت کی اور تاکید ہو گئی، حاصل یہ کہ نہ آپ مجنون ہیں نہ کاہن، نہ صاحبِ غرض، اور وحی لانیوالے کو پہچانتے بھی ہیں اور وحی لانیوالا ایسا ایسا ہے پس لامحالہ یہ اللہ کا کلام اور آپ اللہ کے رسُول ہیں، اور یہ قسمیں مطلوب مقام کے نہایت مناسب ہیں چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور ٹوٹنا اور چھپ جانا مشابہ ہے فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالمِ ملکوت میں جا چھپنے کے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے قرآن کے سبب ظلمتِ کفر کے رفع ہو جانے اور نورِ ہدایت کے ظاہر ہو جانے کے، جب یہ بات ثابت ہے) تو تم لوگ (اس بارہ میں) کدھر کو چلے جا رہے ہو (کہ نبوت کے مُنکر ہو رہے ہو) بس یہ تو (بالعموم) دُنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے (اور بالخصوص) ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے (عام لوگوں کے لئے ہدایت اس معنے سے ہے کہ اُن کو سیدھا راستہ بتلایا اور مؤمنین متقین کے لئے اس معنے سے کہ اُن کو منزلِ مقصود پر پہنچا دیا) اور (بعض کے نصیحت قبول نہ کرنے سے اسکے نصیحت نامہ ہونے میں شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ) تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو (یعنی فی نفسہٖ تو نصیحت ہے لیکن تاثیر اس کی موقوف مشیت پر ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے متعلق نہیں ہوتی)

معارف و مسائل

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، تکویر سے مشتق ہے اسکے معنے بے نور ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔ حسن بصری رح کی یہی تفسیر ہے اور اسکے معنے ڈال دینے پھینک دینے کے بھی آتے ہیں۔ ربیع ابن خیثم نے اسکی یہی تفسیر کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈالدیا جائیگا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائیگا، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ اول آفتاب کو بے نور کر دیا جائے پھر اس کو سمندر میں ڈالدیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈالدیئے جاوینگے اور مسند بزار میں اس کیساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈالدیئے جاوینگے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس و قمر اور تمام ستارہ کو سمندر میں ڈالدیں گے اور پھر اُس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جاویگا، اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ شمس و قمر کو دریا میں ڈالدیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈالدیا جائیگا کیونکہ سارا سمندر اسوقت جہنم بن جائے گا۔ (مستفاد من المظہری والقرطبی)

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ، انکدار سے مشتق ہے اسکے معنے سقوط اور گرنے کے ہیں سلف سے یہی تفسیر منقول ہے اور مُراد یہ ہے کہ آسمان کے سب ستارے سمندر میں گر پڑیں گے جیسا کہ مذکورہ روایات میں اسکی تفصیل آچکی ہے

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ، یہ عرب کی عادت کیمطابق بطور مثال کے فرمایا ہے کیونکہ اسکے پہلے مخاطب عرب لوگ تھے انکے نزدیک دس مہینے کی گابھن اونٹنی ایک بڑی دولت سمجھی جاتی تھی کہ اُس سے دودھ اور بچے کا انتظار ہوتا تھا اور وہ اُس کی دُم سے لگے پھرتے تھے کسی وقت اُس کو آزاد نہ چھوڑتے تھے۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ، تسجیر سے مشتق ہے جس کے معنے آگ لگانے اور بھڑکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رض نے اس جگہ یہی معنے لئے ہیں اور اسکے معنے بھر دینے کے بھی آتے ہیں اور گدمڈ خلط ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنے لئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انمیں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائیگا درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جاوینگی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط بھی ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس و قمر اور ستاروں کو اُس میں ڈالدیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائیگا جو جہنم میں شامل ہو جائیگا (مظہری)

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ، یعنی جبکہ حاضرینِ محشر کے جوڑے جوڑے اور جتھے بنا دیئے جاویں گے یہ جتھے اور جماعتیں ایمان و عمل کے اعتبار سے ہونگے کہ کافر ایک جگہ مؤمن ایک جگہ، پھر کافر و مؤمن میں بھی اعمال و عادات کا فرق ہوتا ہے، انکے اعتبار سے کفار میں بھی مختلف قسم کے گروہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں میں بھی یہ گروہ عقیدے اور عمل میں اشتراک کی بناء پر ہونگے جیسا کہ بیہقی نے بروایت حضرت نعمان بن بشیر رض

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ایک جیسے اعمال کرتے ہونگے وہ ایک جگہ کر دیئے جاوینگے اعمال حسنہ ہوں یا سیئہ، مثلاً اچھے مسلمانوں میں علم دین کی خدمت کرنیوالے علماء ایک جگہ، عباد و زہاد ایک جگہ جہاد کرنے والے غازی ایک جگہ، صدقہ خیرات میں خصوصیت رکھنے والے ایک جگہ۔ اسی طرح بد اعمال لوگوں میں چور ڈاکو ایک جگہ، زناکار فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں ہر شخص اپنی قوم کیساتھ ہوگا (مگر یہ قومیت نسبی یا وطنی نہیں بلکہ عمل و عقیدہ کے اعتبار سے ہوگی) نیک عمل کرنیوالے ایک جگہ بد عمل والے دوسری جگہ ہونگے اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد فرمایا وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً یعنی محشر میں لوگوں کے بڑے گروہ تین ہونگے جیسا کہ سورۂ واقعہ کی آیت میں اسکی تفصیل یہ آئی ہے کہ ایک گروہ سابقین اولین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الیمین کا، یہ دونوں گروہ نجات پانیوالے ہونگے۔ تیسرا گروہ اصحاب الشمال کا ہوگا جو کفار فجار پر مشتمل ہوگا۔

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ، موءودۃ وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا جیسا کہ جاہلیتِ عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لئے موجب عار سمجھتے تھے اور زندہ ہی اس کو دفن کر دیتے تھے اسلام نے یہ رسم بد مٹائی، اس آیت میں قیامت و حشر کے حالات کے بیان میں ارشاد ہوا کہ جب اُس لڑکی سے سوال کیا جائیگا جسکو زندہ درگور کرکے مار دیا گیا تھا، ظاہر الفاظ سے یہ ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا، اُس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جُرم میں قتل کیا گیا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کرنیکا یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونیکی پوری فریاد بارگاہ رب العزت میں پیش کرے تاکہ اُسکے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مُراد یہ ہو کہ موءودہ لڑکی کے بارے میں اسکے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جُرم میں قتل کیا۔

فائدہ مہمہ یہاں بہرحال ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کا تو نام ہی یوم الحساب یوم الجزاء یوم الدین ہے اسمیں تو ہر شخص سے اسکے سبھی اعمال کا محاسبہ اور سوال ہونگے اس جگہ خصوصی احوال اور اہوالِ قیامت کے سلسلہ میں خاص موءودہ لڑکی کے معاملے میں اور اسکے متعلق سوال ہونے کو اتنی اہمیت اور خصوصیت کیساتھ ذکر کرنیمیں کیا حکمت ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مظلوم لڑکی جس کو خود اسکے ماں باپ نے قتل کیا ہے اسکے خون کا انتقام لینے کے لئے اس کی طرف سے کوئی دعوے کرنے والا تو ہے نہیں خصوصاً جبکہ اسکو خفیہ دفن کر دیا ہو تو کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ شہادت دے سکے محشر کے میدان میں جو عدل و انصاف کی عدالتِ الٰہیہ قائم ہوگی، وہ ایسے مظالم کو بھی سامنے لائیگی جن کے ظلم پر نہ کوئی شہادت ہے نہ کوئی اس مظلوم کا پرسانِ حال ہے۔ واللہ اعلم

چار ماہ کے بعد اسقاط حمل قتل کے حکم میں ہے

مسئلہ۔ بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینہ میں حمل میں

رُوح پڑجاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہوجائے تو باجماعِ اُمّت مارنے والے پر اس کی دیت میں غُرّہ یعنی ایک غلام یا اسکی قیمت واجب ہوتی ہے اور اگر بطن سے باہر آنیکے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اسمیں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے (مظہری)

مسئلہ۔ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آجکل دُنیا میں ضبط تولید کے نام سے اسکی سیکڑوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وأد خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا (کما رواہ مسلم عن خدامۃ بنت وہب) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے (مظہری) آجکل ضبطِ تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کئے جاتے ہیں اُن میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ، کشط کے لغوی معنے جانور کی کھال اُتارنے کے ہیں، بظاہر یہ حال قیامت کا نفخۂ اولیٰ کے وقت کا ہے جو اسی دُنیا میں پیش آئیگا کہ آسمان کی زینت جن ستاروں اور شمس و قمر سے تھی وہ سب بے نور ہو کر دریا میں ڈالدیئے جاویں گے آسمان کی موجودہ ہیئت بدل جاویگی، اس کو کشط کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے کشط کے معنے لپیٹنے کے لکھے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ آسمان جو چھت کیطرح سروں پر محیط ہے یہ لپیٹ دیا جائے گا۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ، یعنی جب قیامت کے حالاتِ مذکورہ پیش آویں گے اُسوقت ہر انسان جان لیگا کہ وہ اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے۔ سامان سے مراد اُسکا نیک یا بد عمل ہے کہ وہ سب اعمال اسکے سامنے آجاویں گے جو دُنیا میں کئے تھے خواہ اس طرح کہ صحائف اعمال میں لکھے ہوئے اسکے ہاتھ میں آجائیں یا اسطرح کہ یہ اعمال کسی خاص شکل و صورت میں اسکے سامنے آویں جیسا کہ بعض روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ قیامت کے احوال اور ہولناک مناظر اور وہاں محاسبۂ اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے چند ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے بڑی حفاظت کیساتھ بھیجا گیا ہے اور جس ذات پر نازل ہوا ہے وہ ذات ایک بڑی ہستی ہے وحی لانے والے فرشتے کو وہ پہلے سے جانتے پہچانتے تھے اسلئے اسکے حق ہونیمیں کسی شک و شبہ کی راہ نہیں۔ جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت فلکیات میں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور متحیرہ کہنے کیوجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دُنیا میں اسطرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کیطرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کیطرف

چلنے لگتے ہیں اسکی وجہ کیا، اور دو مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اسکے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوال ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق اُن میں سے بعض کیطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم، پیدا کرنیوالے کے سوا کسی کو نہیں، سب تخمینے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہوسکتے ہیں صحیح بھی، قرآن حکیم نے اُمت کو اس فضول بحث میں نہیں اُلجھایا، جتنی بات اُن کے فائدہ کی تھی وہ بتلادی کہ وہ رب العزت جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اسمیں مشاہدہ کریں اور ایمان لائیں۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ الخ، ستاروں کی قسم کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن قول ہے ایک رسولِ کریم کا، آگے اس رسولِ کریم کی صفت ایک تو یہ بیان فرمائی کہ وہ ذی قوت ہے، دوسری یہ کہ ربُّ العرش کے پاس وہ مُطاع ہے کہ اسکے احکام عرش والے مانتے ہیں، تیسری یہ کہ وہ اللہ کے نزدیک امین ہے اس سے پیغام لانے اور پہنچانے میں کسی خیانت اور کمی بیشی کا امکان نہیں۔ اس جگہ رسولِ کریم سے مُراد بظاہر جبریلِ امین ہیں کیونکہ لفظ رسول کا جیسے انبیاء پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی فرشتوں کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور آگے جتنی صفات رسول کی بیان کی گئی ہیں وہ سب جبریلِ امین پر بغیر کسی تکلف و تاویل کے منطبق ہیں، انکا ذی قوت ہونا سورہ نجم میں صراحۃً مذکور ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى، اہلِ عرش و سمٰوات میں اُن کا مُطاع ہونا اور اُن کے احکام کی پیروی کرنا لیلۃ المعراج کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب جبریلِ امین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر آسمان پر پہنچے اور آسمانوں کے دروازے کھلوانے کا ارادہ کیا تو دروازوں پر مقرر فرشتوں نے ان کے حکم کی اطاعت کی اور امین ہونا جبرئیل علیہ السلام کا ظاہر ہے۔ اور بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ رسول کریم سے مراد محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور صفاتِ مذکورہ کو کسیقدر تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور کفار کے بیہودہ الزاموں کا جواب ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ، یہ اُن کفار کے بیہودہ اعتراض کا جواب ہے جو معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو کھلے اُفق پر دیکھا ہے جیسا کہ سورہ نجم میں ہے فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى، اور مقصود اسکے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ وحی لانے والے فرشتے جبرئیلؑ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خوب واقف تھے، اُن کو اصلی ہیئت و صورت میں بھی دیکھ چکے تھے اس لئے اس وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، باقی مضمونِ آیات خلاصۂ تفسیر میں واضح ہوچکا ہے۔

تمت سورۃ التکویر بحمد اللہ تعالیٰ یوم الاربعاء ۹ شعبان سنہ ۱۳۹۱ھ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۂ انفطار مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝١ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان چر جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب دریا

فُجِّرَتْ ۝٣ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝٤ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝٥

اُبل نکلیں اور جب قبریں زیر و زبر کردی جائیں جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝٦ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا

فَعَدَلَكَ ۝٧ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ

پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو

بِالدِّيْنِ ۝٩ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١٠ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝١١ يَعْلَمُوْنَ

انصاف کا ہونا اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ

مَا تَفْعَلُوْنَ ۝١٢ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝١٣ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝١٤

تم کرتے ہو بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝١٥ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝١٦ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا

ڈالے جائیں گے اسمیں انصاف کے دن اور نہ ہونگے اُس سے جُدا ہونے والے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے

يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٧ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٨ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

دن انصاف کا پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا جس دن کہ بھلا نہ کرسکے کوئی جی

لِنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع

کسی جی کا کچھ بھی اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے

خُلاصۂ تفسیر

جب آسمان پھٹ جائیگا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا (شور اور شیریں) بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے جیسا اوپر کی سُورت میں سُجِّرت کی تفسیر میں بیان ہوا ہے یہ تینوں واقعات تو نفخۂ اُولیٰ کے ہیں آگے نفخۂ ثانیہ کے بعد کا واقعہ ہے یعنی) اور جب قبریں اُکھاڑ دی جاویں گی (یعنی انمیں کے مُردے نکل کھڑے ہوں گے اسوقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لیگا (اور ان واقعات کا مقتضیٰ یہ تھا کہ انسان خوابِ غفلت سے بیدار ہوتا اسلئے آگے غفلت پر زجر و تنبیہ ہے کہ) اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے ربِّ کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو (انسان) بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب اعتدال پر بنایا (یعنی اعضاء میں تناسب رکھا اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا ہرگز (مغرور) نہیں (ہونا چاہیئے مگر تم اغترار سے باز نہیں آتے) بلکہ (اس درجہ اغترار میں بڑھ گئے ہو کہ) تم (خود) جزا و سزا (ہی) کو (جس سے یہ غرور اور فریب دفع ہو سکتا تھا) جھٹلاتے ہو اور (یہ جھٹلانا تمہارا خالی نہ جاویگا بلکہ ہماری طرف سے) تم پر (تمھارے سب اعمال کے) یاد رکھنے والے (جو ہمارے نزدیک) معزز (اور تمھارے اعمال کے) لکھنے والے (ہیں) مقرر ہیں جو تمھارے سب افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہونگے جنمیں تمھاری یہ تکذیب اور کفر بھی ہے اور سب پر مناسب جزا ملیگی جسکی تفصیل آگے ہے کہ) نیک لوگ بیشک آسائش میں ہونگے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہونگے روزِ جزا کو اسمیں داخل ہونگے اور (پھر داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہونگے (بلکہ اسمیں خلود ہوگا) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ روزِ جزا کیسا ہے (اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے (مقصود اس استفہام سے تہویل ہے، آگے جواب ہے کہ) وہ ایسا دن ہے جس دن میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمامتر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

معارف و مسائل

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ، یعنی جب قیامت کے وہ حالات پیش آچکیں گے جن کا ذکر شروع سورت میں کیا گیا ہے، آسمان کا پھٹنا، ستاروں کا جھڑ جانا، سب شور و شیریں دریاؤں کا ایک ہو جانا، قبروں سے مُردوں کا اُٹھنا اُسوقت ہر انسان جان لیگا کہ اُسنے کیا آگے بھیجا کیا پیچھے چھوڑا۔ آگے بھیجنے سے مراد اسپر عمل کر لینا ہے اور پیچھے چھوڑنے سے مراد ترکِ عمل ہے تو قیامت کے دن ہر شخص جان لیگا کہ اُسنے نیک و بد کیا کیا عمل کر لئے اور نیکی یا بدی میں سے کیا چھوڑ دی تھی اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ آگے بھیجے ہوئے اعمال سے مراد وہ عمل ہوں جو اُسنے خود کئے، خواہ نیک ہوں یا بد اور پیچھے چھوڑنے سے مراد وہ عمل ہوں جن کو اسنے خود تو نہیں کیا لیکن اسکی رسم دُنیا میں ڈال گئے، اگر وہ نیک کام ہیں تو اُن کا ثواب ان کو ملتا رہے گا اور بُرے ہیں تو اسکی بُرائی اُس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سُنت اور طریقہ جاری کرایا اسکا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہیگا، اور جس نے کوئی بُری رسم اور گناہ کا کام دُنیا میں جاری کر دیا تو جبتک لوگ اس بُرے کام میں مبتلا ہونگے اسکا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا۔ یہ مضمون پہلے بھی آیت يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ کے تحت میں گزر چکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ، اس سے پہلی آیات میں معاد اور انجام یعنی قیامت کے ہولناک معلات کا ذکر فرمایا، اور اس آیت میں انسان کے مبدأ یعنی تخلیق کے ابتدائی مراحل کا ذکر فرمایا، اس مجموعہ کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کچھ بھی غور و فکر سے کام لیتا تو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاتا اور انکے احکام کی سرِ مو خلاف ورزی نہ کرتا مگر انسان غفلت اور بھول میں پڑ گیا اسپر بطور زجر و تنبیہ کے یہ سوال فرمایا کہ اے انسان تیری ابتدا و انتہا کے یہ حالات سامنے ہونے کے باوجود تجھے کس چیز نے بھول اور دھوکے میں ڈالا کہ اللہ کی نافرمانی کرنے لگا۔

یہاں بیان مبدأ یعنی تخلیقِ انسانی کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں پہلے فرمایا خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا، اور صرف پیدا ہی نہیں کر دیا بلکہ تیرے وجود اور تمام اعضاء کو ایک خاص مناسبت کیساتھ درست کر کے بنایا، ہر عضو کو اسکے مناسب جگہ دی، ہر عضو کی جسامت اور طول و عرض کو ایک تناسب سے بنایا کہ ذرا اس سے مختلف ہو جائے تو اعضائے انسانی کے وہ فوائد باقی نہ رہیں جو اسکی موجودہ صورتمیں ہیں، اسکے بعد فرمایا فَعَدَلَكَ، یعنی تیرے وجود کو ایک خاص اعتدال بخشا جو دُنیا کے کسی دوسرے جاندار میں نہیں۔ اعضاء کے تناسب کے اعتبار سے بھی اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے بھی کہ اگرچہ انسان کی تخلیق میں متضاد اور مختلف مواد شامل ہیں۔ خون، بلغم، سودا، صفرا، کوئی گرم کوئی سرد مگر حکمتِ ربانی نے ان متضاد چیزوں سے ایک معتدل مزاج تیار کر دیا اسکے بعد ایک تیسری خصوصیت بیان فرمائی۔

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ، یعنی باوجود اسکے کہ تخلیق سب انسانوں کی ایک خاص وضع اور ہیئت اور مزاج پر ہونے کی وجہ سے سب میں اشتراک ہے اسکا نتیجہ بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب ایک ہی شکل و صورت کے ہوتے باہمی امتیاز دشوار ہو جاتا، مگر حق تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ نے کروڑوں بلکہ اربوں پدموں انسانوں کی شکل و صورت میں ایسے امتیازات پیدا فرما دیئے جو ایک دوسرے سے مشتبہ نہیں ہوتے صاف اور نمایاں امتیاز رہتا ہے۔

انسان کی ابتدائی تخلیق کے یہ کمالاتِ قدرت بیان فرما کر ارشاد فرمایا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ کہ اے غافل انسان جس پروردگار نے تیرے وجود میں ایسے ایسے کمالات ودیعت فرمائے اُسکے معاملے میں تو نے کیونکر دھوکہ اور فریب کھایا کہ اُسی کو بھول بیٹھا اُسکے احکام کی نافرمانی کرنے لگا، تجھے تو خود تیرے جسم کا

جوڑ جوڑ اللہ کی یاد دلانے اور اُس کی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھا پھر یہ بھول اور غفلت یہ غرور اور دھوکہ کیسے لگا، اس جگہ رب کی صفت کریم ذکر کر کے اسکے جواب کیطرف بھی اشارہ کر دیا کہ انسان کے بھول اور دھوکہ میں پڑنے کا سبب حق تعالیٰ کا کریم ہونا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسکے رزق اور عافیت اور دُنیوی آسائش میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا، یہ لُطف و کرم اسکے غرور اور دھوکے کا سبب بن گیا حالانکہ ذرا عقل سے کام لیتا تو یہ لُطف و کرم غرور و غفلت کا سبب بننے کے بجائے اور زیادہ اپنے رب کریم کے احسانات کا ممنون ہو کر اطاعت میں لگجانیکا سبب ہونا چاہئے تھا۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ کم من مغرور تحت الستر وھو لا یشعر یعنی کتنے ہی انسان ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے اُن کو رُسوا نہیں کیا، وہ اس لُطف و کرم سے اور زیادہ غرور اور دھوکے میں مبتلا ہو گئے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ، اسکا تعلق اُس جملے سے ہے جو پہلے گزر چکا یعنی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ کہ قیامت کے روز ہر انسان کو اپنا اپنا عمل سامنے آجائیگا۔ اس جملے میں اس عمل کی سزا و جزا کا ذکر ہے کہ اطاعت شعار ابرار تو اس روز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں مسرور ہونگے اور سرکش نافرمان جہنم کی آگ میں۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ، یعنی جہنمی لوگ کسی وقت جہنم سے غائب نہ ہو سکیں گے کیونکہ اُن کے لئے خلود اور دائمی عذاب کا حکم ہے لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا، یعنی کوئی شخص باختیار خود کسی دوسرے کو محشر میں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ کسی کی تکلیف کو کم کر سکے گا، اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت کسی کی اپنے اختیار سے نہ ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی کی شفاعت کی اجازت نہ دیں، اسلئے اصل حکم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ ہی اپنے فضل سے کسی کو شفاعت کی اجازت دیدے اور پھر شفاعت قبول فرمالے تو وہ بھی اُسی کا حکم ہے، واللہ اعلم

تمت سورۃ الانفطار بحمد اللہ لیلۃ الاربعاء ۸ شعبان ۱۳۹۱ھ

سُوْرَةُ التَّطْفِيْف

سُوْرَةُ التَّطْفِيْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۂ تطفیف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھریں،

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب ماپ کر دیں اُن کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُن کو

مَّبْعُوْثُوْنَ ۝٤ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٥ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦ كَلَّآ

اُٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے جسدن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی ہرگز نہیں

اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩

بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سجین ایک دفتر ہے لکھا ہوا

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا

خرابی ہے اُسدن جھٹلانے والوں کی جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو اور اسکو

يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ

جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے جب سُنائے اسکو ہماری آیتیں کہے نقلیں ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤

پہلوں کی کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے اُن کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا

کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُسدن روک دیئے جائیں گے پھر مقرر وہ گرنیوالے ہیں

الْجَحِيمِ (١٦) ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ (١٧) كَلَّا إِنَّ كِتَابَ

دوزخ میں پھر کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ہرگز نہیں بیشک اعمالنامہ

الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ (١٨) وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ (١٩) كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (٢٠)

نیکوں کا علیین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین ایک دفتر ہے لکھا ہوا

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ (٢١) إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (٢٢) عَلَى الْأَرَائِكِ

اس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے

يَنظُرُونَ (٢٣) تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ (٢٤) يُسْقَوْنَ مِن

دیکھتے ہونگے پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی ان کو پلائی جاتی ہے

رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ (٢٥) خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

شراب خالص مہر لگی ہوئی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر اور اس پر چاہیے کہ ڈھکیں

الْمُتَنَافِسُونَ (٢٦) وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ (٢٧) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ (٢٨)

ڈھکنے والے اور اس کی ملونی ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ (٢٩) وَإِذَا مَرُّوا

وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے اور جب ہو کر نکلتے

بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ (٣٠) وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ (٣١) وَ

انکے پاس کو تو آپس میں آنکھ مارتے اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے اور

إِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ (٣٢) وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ (٣٣)

جب ان کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان بناکر

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ (٣٤) عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ (٣٥)

سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (٣٦) ع

اب بدلہ پایا ہے منکروں نے جیسا کچھ کہ کرتے تھے

خلاصۂ تفسیر

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں (گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں ہے مگر اسکے ذکر کرنے سے مقصود خود اس پر مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ کم دینے پر مذمت کی تاکید و تقویت ہے یعنی کم دینا اگرچہ

فی نفسہٖ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر دوسروں کی ذرا رعایت نہ کی جاوے تو اور زیادہ مذموم ہے، بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے اس لئے اول شخص کا عیب اشد ہے اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا تاکہ خوب تصریح ہو جاوے کہ ناپنے میں بھی کم دیتے ہیں، اور تولنے میں بھی کم دیتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہٖ مدارِ مذمت کا نہیں اس لئے وہاں ناپ اور تول دونوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک ہی کا ذکر کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لئے ہو کہ عرب میں زیادہ دستور کیل کا تھا خصوصاً اگر آیت مدنی ہو جیسا روح المعانی میں بروایت نسائی و ابن ماجہ و بیہقی اس کا نزول اہلِ مدینہ کے باب میں لکھا ہے تو اس وقت اس تخصیص کی وجہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ مدینہ میں کیل کا دستور مکہ سے بھی زیادہ تھا، آگے ایسا کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اُٹھائے جاویں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے (یعنی اس روز سے ڈرنا چاہیئے اور تطفیف یعنی لوگوں کی حق تلفی سے توبہ کرنا چاہیئے اس بعث و جزا کو منکر جو مؤمن تھے وہ ڈر گئے اور جو کافر تھے وہ انکار کرنے لگے، اس لئے آگے انکار پر تنبیہ فرما کر فریقین کی جزا کی تفصیل فرماتے ہیں کہ جیسا کفار لوگ جزا و سزا کے منکر ہیں) ہرگز (ایسا) نہیں (بلکہ جزا و سزا ضروری الوقوع ہے جن اعمال پر جزا و سزا ہوگی وہ بھی منضبط اور محفوظ ہیں اور اس مجموعہ کا بیان یہ ہے کہ) بدکار (یعنی کافر) لوگوں کا نامۂ عمل سجین میں رہے گا (وہ ایک مقام ساتویں زمین میں ہے جو مقام ہے ارواحِ کفار کا، کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب و فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ و مجاہد و فرقد و قتادۃ و عبداللہ ابن عمرو مرفوعاً، اور کفار کے اعمال کا اس مقام پر رہنا بھی مجاہد و عبداللہ ابن عمرو سے درمنثور میں منقول ہے، آگے ڈرانے کے لئے سوال ہے کہ) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے (نشان سے مراد مہر ہے کما فی الدر المنثور عن کعب الاحبار فیختم و یوضع ای بعد الموت مقصود یہ ہوگا کہ اس میں تغیر و تبدل کا کچھ احتمال نہیں پس حاصل اسکا اعمال کا محفوظ ہونا ہے جس سے جزا کا بحق ہونا ثابت ہوا آگے ان اعمال کی جزا کا بیان ہے کہ) اس روز (یعنی قیامت کے روز) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو کہ روزِ جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس (یومِ جزا) کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد (عبدیت) سے گزرنے والا ہو مجرم ہو (اور) جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں (مطلب یہ بتلانا ہے کہ جو شخص روزِ قیامت کی تکذیب کرتا ہے وہ معتدی، اثیم، مکذب بالقرآن ہے آگے تکذیب روزِ جزا پر جو صراحۃً مذکور ہے تنبیہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس کو غلط سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں (اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ شاید ان کے پاس کوئی دلیل نفی کی ہوگی جس سے یہ استدلال کرتے ہونگے ہرگز نہیں) بلکہ (اصل وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے (اس سے استعداد قبولِ حق کی فاسد ہو گئی اسلئے براہِ عناد انکار کرنے لگے آگے پھر انکار پر زجر ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں

(آگے ویل کی کچھ تفصیل ہے کہ وہ خرابی یہ ہے کہ) یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار دیکھنے) سے روک دیئے جاویں گے پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ) یہ دوزخ میں داخل ہونگے پھر (ان سے) کہا جاویگا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اور چونکہ یہ لوگ یوم دین کی تکذیب میں جس طرح اپنی سزا کو جھٹلاتے تھے اسیطرح مؤمنین کی جزا کو بھی جھٹلاتے تھے، آگے اس پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مؤمنین کے اجر و ثواب کے منکر ہیں) ہرگز ایسا نہیں، (بلکہ ان کا اجر و ثواب ضرور ہونے والا ہے جسکا بیان یہ ہے کہ) نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہیگا (وہ ایک مقام ہے ساتویں آسمان میں جو مستقر ہے ارواح مؤمنین کا، کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب) اور آگے تفخیم کے لئے سوال ہے کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں (اور یہ مومن کا بہت بڑا اکرام ہے جیسا کہ رُوح المعانی میں بتخریج عبد بن حمید حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب ملائکہ مؤمن کی رُوح کو قبض کرکے لیجاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے انکے ساتھ ہوتے جاتے ہیں یہانتک کہ ساتویں آسمان تک پہنچکر اس روح کو رکھ دیتے ہیں، پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم اسکا نامۂ اعمال دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ نامۂ عمل کھول کر دکھلایا جاتا ہے (مختصراً) آگے انکی جزاء آخرت کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائب) دیکھتے ہونگے (اے مخاطب) تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا (اور) ان کو پینے کیلئے شراب خالص سر بمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیئے (کہ حرص کے لائق یہی ہے خواہ صرف شراب مراد لیجاوے خواہ کل نعمائے جنت یعنی شوق و رغبت کی چیز یہ نعمتیں ہیں، نہ کہ دُنیا کی ناقص اور فانی لذتیں اور اُن کی تحصیل کا طریق نیک اعمال ہیں، پس اسمیں کوشش کرنا چاہیئے) اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی سے) ہوگی (عرب عموماً شراب میں پانی ملاکر پیتے تھے تو اس شراب کی آمیزش کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا، آگے تسنیم کی شرح ہے) یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب لوگ پانی پئیں گے، (مطلب یہ کہ سابقین یعنی مقربین کو تو خالص پینے کو اسکا پانی ملے گا اور اصحاب الیمین یعنی ابرار کو اس کا پانی دوسری شراب میں ملا کر ملے گا، کذا فی الدر المنثور عن قتادہ و مالک ابن الحارث و ابن عباس و ابن مسعود و حذیفہ۔ اور یہ مہر لگنا علامت اکرام کی ہے ورنہ وہاں ایسی حفاظت کی ضرورت نہیں، اور مُشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگاکر اس پر مُہر کرتے ہیں اور ایسی چیز کو طین ختام کہتے ہیں وہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگاکر اس پر مہر کردی جاوے گی، یہانتک فریقین کی جزائے اُخروی کا الگ الگ بیان تھا آگے مجموعہ فریقین کا مجموعہ حال دُنیا و آخرت مذکور ہے یعنی) جو لوگ مجرم یعنی کافر تھے وہ ایمان والوں سے (دُنیا میں تحقیراً) ہنسا کرتے تھے اور یہ (ایمان والے) جب ان کافروں کے سامنے سے ہوکر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے (مطلب یہ کہ انکے ساتھ استہزاء و تحقیر سے پیش آتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو (وہاں بھی ان کا تذکرہ کرکے) دل لگیاں (اور تمسخر) کرتے (مطلب یہ کہ غیبت و حضور ہر حالتیں انکی تحقیر و

استہزاء کا مشغلہ رہتا، البتہ حضور میں اشارے چلا کرتے اور غیبت میں صراحۃً تذکرہ کرتے) اور جب انکو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی پر سمجھتے تھے) حالانکہ یہ کافر ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے بناکر نہیں بھیجے گئے (یعنی ان کو اپنی فکر کرنا چاہیئے تھا، ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے پس ان سے دو غلطیاں ہوئیں اول اہل حق کے ساتھ استہزاء، پھر اپنی اصلاح سے بے فکری) سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہونگے، مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہونگے (درِ منثور میں قتادہ سے منقول ہے کہ کچھ دریچے جھروکے ایسے ہونگے جن سے اہل جنت اہل نار کو دیکھ سکیں گے، پس ان کا بُرا حال دیکھ کر بطور انتقام کے اُن پر ہنسیں گے آگے تقریر ہے اس سزا کی یعنی) واقعی کافروں کو انکے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

معارف و مسائل

سورۂ تطفیف: حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول پر مکی سورت ہے عام مصاحف قرآن میں اسی بناء پر اسکو مکی لکھا ہوا ہے اور حضرت ابن عباس، قتادہ، مقاتل، ضحاک کے نزدیک مدنی سورت ہے مگر اسکی صرف آٹھ آیتیں مکی ہیں، امام نسائی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کَیْل یعنی ناپ کے ذریعہ ہوتے تھے وہ اس معاملہ میں چوری کرنے اور کم ناپنے کے بہت عادی تھے اس پر یہ سورت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی نازل ہوئی، وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ میں یہ رواج اسوقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سودا لیتے تو ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی اور چوری کیا کرتے تھے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسم بد سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آجتک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف و مشہور ہیں (رواہ الحاکم والنسائی وابن ماجہ بسند صحیح از مظہری)

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ، مطففین تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنے ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مطفف کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ تطفیف کرنا حرام ہے۔

تطفیف صرف ناپ تول ہی میں نہیں بلکہ حقدار کو اس کے حق سے کم دینا کسی چیز میں ہو تطفیف میں داخل ہے

قرآن و حدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے انہی کے ذریعہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقدار کا حق ادا ہوگیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حقدار کا حق پورا پورا دینا ہے اسمیں کمی کرنا حرام ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اسکا یہی حکم ہے خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حقدار کے حق سے کم دینا بحکم تطفیف حرام ہے۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع سجدے وغیرہ پورے

نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اُس کو فرمایا لَقَدْ طَفَّفْتَ یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی، فاروقِ اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا لکل شیء وفاء و تطفیف یعنی پُورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اُس میں سے وقت چُرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے اس میں عام لوگوں میں یہانتک کہ اہلِ علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا اعاذنا اللہ منہ۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمس بخمس یعنی پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں۔ (۱) جو شخص عہد شکنی کرتا ہے اللہ اُس پر اُس کے دشمن کو مسلط اور غالب کر دیتا ہے (۲) جو قوم اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر و احتیاج عام ہو جاتا ہے (۳) جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے اُس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتا ہے (۴) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ اُن کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُن سے بارش کو روک دیتا ہے (ذکرہ القرطبی وقال اخرجہ البزار بمعناہ و مالک بن انس ایضاً من حدیث ابن عمرؓ) اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مالِ غنیمت کی چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ انکے دلوں میں دشمن کا رُعب اور ہیبت ڈالدیتے ہیں۔ اور جس قوم میں ربوا یعنی سود خوری کا رواج ہو جائے اُنہیں موت کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انکا رزق قطع کر دیتے ہیں اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں اُن میں قتل و خون عام ہو جاتا ہے اور جو لوگ معاہدات میں غداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر اُن کے دشمن مسلط کر دیتا ہے (رواہ مالک موقوفاً۔ از مظہری)

فقر و فاقہ اور قحط قطع رزق کی مختلف صورتیں حدیث میں جن لوگوں کا رزق قطع کر دینے کا ارشاد ہے اُس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اُس کو رزق سے بالکل محروم کر دیا جائے اور یہ صورت بھی قطع رزق ہی میں داخل ہے کہ رزق موجود ہوتے ہوئے وہ اُس کو کھا نہ سکے یا استعمال نہ کر سکے جیسے بہت سی بیماریوں میں اسکا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس زمانے میں بہت عام ہے۔ اسی طرح قحط کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اشیاء ضرورت مفقود ہو جائیں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجود بلکہ کثیر ہونے کے باوجود اُن کی گرانی اتنی بڑھ جائے کہ خریداری مشکل ہو جائے جیسا کہ آجکل اسکا مشاہدہ اکثر چیزوں میں ہو رہا ہے۔ اور حدیث میں فقر مسلط کرنیکا ارشاد ہے اسکے معنے صرف یہی نہیں کہ روپیہ پیسہ اور ضرورت کی اشیاء اسکے پاس نہ رہیں بلکہ فقر کے اصلی معنے محتاجی اور حاجتمندی کے ہیں۔ ہر شخص اپنے کاروبار اور ضروریاتِ زندگی میں دوسروں کا جتنا محتاج ہو وہ اُتنا ہی فقیر ہے۔ اس زمانے کے حالات پر غور کیا جائے تو

انسان اپنے رہن سہن اور نقل و حرکت اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں ایسے ایسے قوانین میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے کہ اُس کے لقمہ اور کلمہ تک پر پابندیاں ہیں، اپنا مال موجود ہوتے ہوئے خریداری میں آزاد نہیں کہ جہاں سے چاہے کچھ خریدے۔ سفر میں آزاد نہیں کہ جب کہیں جانا چاہے چلا جائے، ایسی ایسی پابندیوں میں انسان جکڑ دیا گیا ہے کہ ہر کام کے لئے دفتر گردی اور افسروں سے لیکر چپراسیوں تک کی خوشامد کئے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے یہ سب محتاجی ہی تو ہے جسکا دوسرا نام فقر ہے۔ اس تفصیل سے وہ شبہات رفع ہو گئے جو حدیث کے ارشاد کے متعلق ظاہری حالات کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں۔

سجین اور علیین كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ، سجین، بکسر سین و تشدید جیم بروزن سکین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں قید کرنے کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ سجین کے معنے دائمی قید کے ہیں اور احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجین ایک مقام خاص کا نام ہے، اور کفار فجار کی ارواح کا مقام یہی ہے اور اسی مقام میں انکے اعمالنامے رہتے ہیں جسکا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے اعمالنامے اس جگہ میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی کتاب جامع ہو جس میں تمام دُنیا کے کفار و فجار کے اعمال لکھدیئے جاتے ہوں۔

یہ مقام کس جگہ ہے اس کے متعلق حضرت براء بن عازب رضؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نچلے طبقہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں زیر عرش ہے (اخرجہ البغوی بسندہ واخرجہ احمد وغیرہ از مظہری) بعض روایاتِ حدیث میں یہ بھی ہے کہ سجین کفار و فجار کی ارواح کا مستقر ہے، اور علیین، مؤمنین متقین کی ارواح کی جگہ ہے۔

جنت اور دوزخ کا مقام بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو لایا جائیگا وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اسکا مطلب کیا ہے، جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین میں ہے وہیں سے بھڑک کر سارے سمندر اور دریا اُس کی آگ میں شامل ہو جائینگے اور سب کے سامنے آجائے گی۔ جہنم کے لائے جانیکا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ اس طرح جن روایات میں یہ آیا ہے کہ سجین جہنم کے ایک مقام کا نام ہے وہ بھی اس پر منطبق ہو گیا، (مظہری) واللہ اعلم

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ، مرقوم کے معنے اس جگہ مختوم کے ہیں۔ یعنی مہر لگی ہوئی۔ امام بغوی اور ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ مقام سجین کی تفسیر نہیں، بلکہ اس سے پہلے جو كِتَابَ الْفُجَّارِ آیا ہے اسکا بیان ہے، معنے یہ ہیں کہ کفار و فجار کے اعمالنامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے جاویں گے کہ اُنمیں کسی کمی بیشی اور تغیر کا امکان نہ رہے گا اور انکے محفوظ کرنے کی جگہ سجین ہے یہیں کفار کی ارواح کو جمع کر دیا جائے گا۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ، ران، رین سے مشتق ہے جس کے معنے زنگ اور میل

کہ یہی مطلب ہے کہ انکے دلوں پر انکے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے اور جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان گناہوں کے زنگ نے اُن کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے بُرے کی تمیز ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگجاتا ہے اگر اُسنے توبہ کرلی اور اُس پر نادم ہوکر آگے اپنے عمل کو درست کرلیا تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصلی حالت پر منوّر ہو جاتا ہے اور اگر اُس نے توبہ نہ کی بلکہ اپنے گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہی اُس کے سارے قلب پر چھا جاتی ہے اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآنی بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ میں مذکور ہے (رواہ البغوی وکذا اخرج احمد والترمذی وصحہ والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم۔ از مظہری) لفظ کَلَّا جو آیت کے شروع میں ہے اسکو حرف ردع کہتے ہیں جس کے معنے دفع کرنے اور زجر و تنبیہ کرنیکے ہیں۔ پہلی آیتوں میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا کہ وہ آیاتِ قرآن کو کہانیاں کہہ کر جھٹلاتے ہیں، اس آیت میں لفظ کَلَّا سے اس پر زجر و تنبیہ ہے کہ ان جاہلوں نے اپنے گناہوں کے انبار میں مبتلا ہوکر اپنے دلوں کی اُس نورانیت اور صلاحیت کو ختم کر دیا ہے جس سے حق و باطل پہچانا جاتا ہے اور یہ صلاحیت حق تعالیٰ ہر انسان کی جبلّت اور فطرت میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کی یہ تکذیب کسی دلیل یا عقل و فہم کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے قلوب اندھے ہو چکے ہیں اُنھیں بھلا بُرا نظر ہی نہیں آتا۔

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ، یعنی قیامت کے روز یہ کفار فجار اپنے رب کی زیارت سے محروم پس پردہ روک دیئے جاوینگے، یہ انکے اس عمل کی سزا ہوگی کہ اُنھوں نے دُنیا میں حق کو نہیں پہچانا تو اب اپنے رب کی زیارت کے قابل نہیں رہے۔ حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی ورنہ پھر کفار کے محجوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔

فائدہ بعض اکابر علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت سے حق تعالیٰ کی محبت پر مجبور ہے اسی لئے دُنیا کے عام کفار و مشرکین چاہے کتنے ہی کفر و شرک میں مبتلا ہوں اور اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات کے متعلق باطل عقیدے رکھتے ہوں مگر اتنی بات سب میں مشترک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اُسی کی جستجو اور رضا جوئی کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، راستہ غلط ہوتا ہے اس لئے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچتے مگر طلب اُسی منزلِ حق کی ہوتی ہے وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو اُن کی سزا میں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے اُس کے لئے یہ کوئی سزا نہیں کہ اُس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔

اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ، علّیین بعض حضرات کے نزدیک علوّ کی جمع ہے اور مراد اعلیٰ درجہ کا علو اور بلندی ہے اور فرّاء کے نزدیک یہ ایک موضع کا نام ہے وزن جمع پر آیا ہے جمع نہیں، اور لفظ سجّین کی تحقیق میں اُوپر گذر چکا ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ کی مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ علّیین ساتویں آسمان پر زیرِ عرش ایک مقام ہے جس میں مؤمنین کی ارواح اور صحائفِ اعمال رکھے جاتے ہیں، اور آگے جو كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مذکور ہے یہ بھی علّیین کی

تفسیر نہیں بلکہ ابرار کے نامۂ اعمال کا بیان ہے جسکا ذکر اوپر اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ میں آیا ہے۔

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ، یشہد شہود سے مشتق ہے جس کے معنے حاضر ہونے اور مشاہدہ کرنیکے آتے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ابرار و صالحین کی کتاب الاعمال کو مقربین دیکھتے ہونگے اور مراد مقربین سے فرشتے ہیں اور دیکھنے سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، مطلب یہ ہے کہ ابرار و صالحین کے صحائف اعمال مقرب فرشتوں کی نگرانی میں ہونگے (قرطبی) اور شہود سے مراد حضور کے معنی لئے جائیں تو یشہدہ کی ضمیر کتاب کے بجائے علّیین کیطرف راجع ہوگی اور معنی آیت کے یہ ہونگے کہ مقربین بارگاہ کی ارواح اسی مقام علّیین میں حاضر ہونگی کیونکہ یہی مقام اُنکی ارواح کا مستقر بنایا گیا ہے۔ جس طرح سجّین کفار کی ارواح کا مستقر ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح اللہ تعالےٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونگی جو جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتی ہونگی اور اُن کے رہنے کی جگہ قندیلیں ہونگے جو عرش کے نیچے معلق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی ارواح تحت العرش رہیں گی اور جنت کی سیر کریں گی اور سورۂ یٰسین میں جو حبیب نجار کے واقعہ میں آیا ہے قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ، اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجار موت کیساتھ ہی جنت میں داخل ہو گئے اور بعض روایاتِ حدیث سے بھی ارواح مؤمنین کا جنت میں ہونا معلوم ہوتا ہے، ان سب کا حاصل ایک ہی ہے کہ مستقر ان ارواح کا ساتویں آسمان پر تحت العرش ہے اور یہی مقام جنّت کا بھی ہے ان ارواح کو جنت کی سیر کرنیکا اختیار دیا گیا ہے۔ اور یہاں اگرچہ یہ حال صرف مقربین کا اُنکی اعلیٰ خصوصیت اور فضیلت کیوجہ سے بیان کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہی مستقر تمام مؤمنین کی ارواح کا بھی ہو جیسا کہ حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

انما نسمة المؤمن طائر يعلق فى شجر الجنة حتى ترجع الى جسده يوم القيمة (رواه مالك والنسائى بسند صحيح)	مومن کی روح ایک پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہے گی یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ اپنے جسم میں پھر لوٹ جائے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث اُمّ ہانیؓ کی روایت سے مسند احمد اور طبرانی میں آئی ہے (مظہری)

مقرِ ارواح یعنی موت کے بعد انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے اس معاملے میں روایاتِ حدیث بظاہر مختلف ہیں، سجّین اور علّیین کی تفسیر میں جو روایات اُوپر مذکور ہوئی اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواحِ کفار سجّین میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں ہے اور ارواح مؤمنین علّیین میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر زیرِ عرش ہے اور مذکور الصدر روایات میں بعض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارواحِ کفار جہنم میں اور ارواحِ مؤمنین جنت میں رہیں گی۔ اور بعض روایاتِ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین و کفار دونوں کی روحیں اُن کی قبروں میں رہتی ہیں جیسا کہ حضرت براء بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مومن کی رُوح کو آسمان میں فرشتے لیجاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کا اعمالنامہ علّیین میں لکھدو اور اسکو زمین کیطرف لوٹا دو کیونکہ اس کو میں نے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد

اُسی میں لوٹاؤں گا اور پھر اُسی زمین سے اُن کو دوبارہ زندہ کرکے نکالوں گا، اس حکم پر فرشتے اسکی رُوح کو قبر میں لوٹا دیتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہوگا کہ اس کو اس کی قبر میں لوٹا دو۔ امام ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ سب کی ارواح بعد الموت قبر ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں بیہقی اور دوسری روایات میں جو یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے ارواح مؤمنین کا ..... علیین میں رہنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مقام علیین بھی ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم کی تصریح سے ثابت ہے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى، اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے اور سدرہ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے اسلئے مقام ارواح جب علیین ہوا تو وہ جنت کے متصل ہے اور ان ارواح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے اسلئے ان کا مقام جنت بھی کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح کفار کی ارواح سجین میں ہیں اور وہ ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنم بھی ساتویں زمین میں ہے، اور اہل سجین کو جہنم کی تپش اور ایذائیں پہنچتی رہیں گی اسلئے انکا مقام جہنم میں کہدینا بھی صحیح ہے البتہ اوپر جس روایت میں ارواح کا قبروں میں رہنا معلوم ہوتا ہے بظاہر پچھلی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے اس کی تطبیق بیہقی زمانہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رہ نے تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کیساتھ بھی قائم ہو۔ اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور اُن کی شعاعیں زمین پر پڑکر اسکو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی۔ اسی طرح علیین وسجین کی ارواح کا کوئی رابطہ معنویہ قبر کیساتھ ہو سکتا ہے اور ان تمام اقوال کی تطبیق میں حضرت قاضی ثناء اللہ رہ کی تحقیق سورۂ نازعات کی تفسیر میں ابھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے جو انسان کے بدن میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا، اسی کو نفس کہا جاتا ہے۔ دوسری روح جوہر مجرد ہے مادی نہیں، اور وہ روح مجرد ہی روح اول کی حیات ہے اسلئے اسکو رُوح الروح کہہ سکتے ہیں، انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں قسم کی رُوحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اسکے نکلنے ہی کا نام موت ہے۔ دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مرنیکے بعد روح اول تو آسمانوں میں لیجائی جاتی ہے پھر قبر میں لوٹا دیجاتی ہے اسکا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذاب ثواب ہوتا ہے اور رُوح مجرد علیین یا سجین میں رہتی ہے۔ اسطرح اقوال جمع ہوگئے مستقر ارواح کا جنت یا علیین میں یا اسکے بالمقابل جہنم یا سجین میں ہونا رُوح مجرد کے اعتبار سے ہے اور انکا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنیکے بعد قبر میں رہتا ہے۔ واللہ اعلم

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ، تنافس کے معنے ہے چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے جھپٹنا دوڑنا تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کرلیں، یہاں جنت کی

نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعار انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ آج تم لوگ جن چیزوں کو مرغوب ومطلوب سمجھ کر اُن کے حاصل کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو۔ یہ ناقص اور فانی نعمتیں اس قابل نہیں کہ ان کو مقصود زندگی سمجھ کر اُن کے لئے مسابقت کرو بلکہ ان میں تو اگر قناعت وایثار سے کام لیکر یہ سمجھ لو کہ یہ چند روزہ راحت کا سامان ہاتھ سے نکل ہی گیا تو کچھ بڑے صدمے کی بات نہیں، ایسا خسارہ نہیں جس کی تلافی نہ ہوسکے، البتہ تنافس اور مسابقت کرنے کی چیز یہ جنت کی نعمتیں ہیں جو ہر حیثیت سے مکمل بھی ہیں اور دائمی بھی، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ؎

یہ کہاں کا فسانہ ہے سُود وزیاں، جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو ذہن سے فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خُدا ہی کی یاد دلا

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ، ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرز عمل کا پورا نقشہ کھینچدیا ہے کہ کفار اہل باطل مؤمنین اہل حق پر استہزاءً ہنستے اور دل لگی کرتے ہیں اور جب اہل حق اُن کے سامنے آتے ہیں تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو آنکھ کے اشارے کرتے ہیں جس سے مقصود بھی ان کی استہزاء اور ایذا رسانی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ کفار اہل باطل اپنے اپنے ٹھکانوں پر لوٹتے ہیں تو مؤمنین کے ساتھ جو تمسخر اور استہزاء کیا ہے اسکا باہم تذکرہ مزے لیکر کرتے ہیں کہ ہمنے خوب ان لوگوں کو ذلیل کیا۔ اور جب یہ کفار مؤمنین کو دیکھتے ہیں تو بظاہر ہمدردی کے لہجہ میں اور درحقیقت تمسخر کیلئے یہ کہتے ہیں کہ یہ بیچارے بڑے سادہ لوح بے وقوف ہیں ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہ کر دیا ہے۔

آجکل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اسوقت وہ لوگ جو کچھ نئی تعلیم کی نحوست سے دین وآخرت سے بے فکر ہو چکے ہوتے ہیں خدا اور رسُول پر ایمان برائے نام رہ جاتا ہے وہ علماء وصلحاء کیساتھ بعینہٖ اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس عذاب الیم سے نجات عطا فرمادیں۔ مؤمنین صالحین کے لئے اس آیت میں تسلی کا کافی سامان ہے کہ اُن کے ہنسنے کی پروا نہ کریں کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہنسنے والے سے جبتک ہم ڈریں گے ✧ زمانہ ہم پہ ہنستا ہی رہے گا

تمت سُورۃ التطفیف والحمد للہ لیلۃ یوم الاثنین ۱۲ شعبان سنہ ۱۳۹۱ھ